سابقت میں کسی سے پیچھے بھی نہ رہیں، ڈاکٹر صاحب میں یہ سب شرائط پائے جاتے ہیں، اسلئے انکے خیالات میں بڑا اعتدال و توازن ہے، انکا قلم جامِ شریعت اور سندانِ عشق دونوں کا حق ادا کرتا ہے، اور حتی الامکان انکے ہاتھ سے دین کا سررشتہ نہیں چھوٹتا، یہ مضامین اسکا نمونہ ہیں لیکن مغربی تہذیب کی بنیاد تمامتر مادیت پر ہے اور اس سے پیدا شدہ مسائل کا نقطۂ نظر بھی مادی ہے، جسکی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہوتی، اسلئے اعتدال و توازن کے باوجود بعض مسائل میں دونوں کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے، مصنف کو بھی یہ دشواری پیش آتی ہے، جس کی جھلک ان مضامین میں نظر آتی ہے، لیکن عموماً ان کا قلم جادۂ اعتدال پر قائم رہتا ہے، اور اس حیثیت سے ان کے خیالات بڑے قابل قدر اور مسلمانوں کے غور و فکر کے مستحق ہیں۔

"م"

فارم ۱۷

دیکھو رول نمبر ۸

معارف پریس اعظم گڈھ

نام مقام اشاعت :-	دار المصنفین اعظم گڈھ
نوعیت اشاعت :-	ماہانہ
نام پرنٹر :-	سید اقبال احمد
قومیت :-	ہندوستانی
پتہ :-	دار المصنفین اعظم گڈھ
نام پبلشر :-	"
قومیت :-	ہندوستانی
پتہ :-	دار المصنفین اعظم گڈھ
اڈیٹر :-	شاہ معین الدین احمد ندوی
قومیت :-	ہندوستانی
پتہ :-	دار المصنفین اعظم گڈھ
نام و پتہ مالک رسالہ	

میں سید اقبال احمد تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔ "سید اقبال احمد"

جلد ۱۱۱ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۳ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۷۳ء عدد ۶

مضامین

مقالات

شذرات

قوموں اور ملتوں کی موت وحیات اور ترقی وتنزّل کے بہت سے عناصر ہیں، ان میں بنیادی عنصر جس میں ساری چیزیں آجاتی ہیں، اپنے تصورِ حیات پر یقین و اذعان، اس کا تحفظ، اس پر مضبوطی سے قیام اور اس کے مطابق سیرت و کردار کی تعمیر ہے جو قوم بھی اپنا تصورِ حیات چھوڑ دے گی، اور سیرت و کردار سے محروم ہوگی، وہ زندہ نہیں رہ سکتی، اپنے سے زیادہ طاقتور قوم میں ضم ہو جائے گی، یا اس کا ضمیمہ بن جائے گی، اس لئے کلام مجید نے ان پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا مقصد ہی انہی کی تعلیم و تلقین ہے جس کو اُس نے ایمان اور عملِ صالح سے تعبیر کیا ہے، ایمان سے مراد اسلامی تصورِ حیات پر اذعان و یقین، اور اس پر قیام، اور عملِ صالح سے مراد اسلامی اعمال و اخلاق، اور سیرت و کردار کی تعمیر ہے،

اگر اس پہلو سے ہندوستان کے مسلمانوں پر نظر ڈالی جائے تو اُن کی حالت بڑی عبرتناک ہے، وہ مسلمان ضرور ہیں، مگر ان میں نہ اسلامی تصورِ حیات پر پورا عمل ہے اور نہ سیرت و کردار باقی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ حکومت، سیاست، تعلیم، اقتصادیات ہر محاذ پر پسپا ہو چکے ہیں۔ مگر اُن کے تصورِ حیات میں اب بھی وہ قوت ہے کہ وہ اس کے سہارے زندہ رہ سکتے ہیں، اُن کا منصب تو یہ تھا کہ وہ دوسری قوموں کی رہنمائی کرتے، مگر حال یہ ہے کہ وہ خود اُن کی نقالی میں گرفتار ہیں۔ ہر نئی ہوا کے ساتھ ہو جاتے ہیں، جو چیز بھی مغرب سے برآمد ہوتی ہے۔ اس کا لحاظ کئے بغیر کہ اُن کے تصورِ حیات سے کہاں تک مطابقت کرتی ہے، بے تحاشا اس کی طرف لپکتے ہیں۔ بلکہ ان چیزوں کو بھی اسی ذوق و شوق سے قبول کرتے ہیں جن کے نتائج سے خود مغرب کے مفکرین نالاں اور اس کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں جن لوگوں کو مذہب کا کچھ پاس و لحاظ یا رائے عامہ کا خوف ہے وہ مذہب کو ان کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں جو زیادہ ترقی پسند ہیں، انھوں نے یہ پردہ بھی اٹھا دیا ہے، اور مذہب کو فرسودہ اور اس زمانہ کے لئے ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ موجودہ دور کے مسائل میں کیا جا سکتا ہے،

مغربی تہذیب میں جو کمی رہ گئی تھی، وہ کمیونزم نے پوری کر دی، اہلِ مغرب کی زندگی سے اگرچہ عملاً مذہب خارج ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا نام باقی ہے، کمیونزم نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کی بنیاد تمامتر مادیت اور الحاد پر ہے۔ وہ ہر اخلاقی قید سے آزاد ہے اور اس زمانہ میں ترقی پسندی کی علامت سمجھی جاتی ہے، اس لئے ایک دنیا اس سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہے، ہندوستان میں بھی اس کا سکہ رواں ہے، اس لئے مسلمانوں کا وہ طبقہ جس کو دانشور کہا جاتا ہے۔ اس کا شکار ہے۔ اور اسلام و ملت اسلامیہ کی بیخ کنی کی خدمت یہی انجام دے رہا ہے،

یہ تو مسلمانوں کے مذہب کا حال ہے، ان کا کردار یہ ہے کہ اُن کے خواص کو جن پر قوم و ملت کی رہنمائی اور صلاح و فلاح کی ذمہ داری ہے، اپنے ذاتی فائدے کے لئے مسلمانوں کی قیمتی سے قیمتی متاع کو قربان کر دیتے میں تامل نہیں ہوتا، مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ان کے خواص نے دین و ملت کے لئے کیسی کیسی قربانیاں کی ہیں۔ پوری تاریخ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ خود ہندوستان میں دینی طبقہ میں مجدد سرہندی سے لیکر حضرت

شیخ الہند اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی تک اور جدید طبقہ میں سر سید اور اُن کے رفقار نے ملت اسلامیہ کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلیں، اور کتنے بڑے بڑے کام کر گئے، اپنے کو مٹا کر ملت کو زندہ کر دیا۔ ان کے مقابلہ میں آج کا طبقۂ خواص اپنے جاہ و اقتدار کے لئے ملت اسلامیہ کے ناموس کو جس طرح بیچ رہا بلکہ نیلام کر رہا ہے اس سے ہر شخص واقف ہے، اس پر اقبال کا یہ قول آج بھی صادق آتا ہے ع

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفیٰ!

جو علماء سیاست میں ہیں افسوس ہے کہ وہ بھی اس کی نجاستوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے لیکن بحمد اللہ ابھی جمہور مسلمانوں کا احساس مردہ نہیں ہوا ہے، اور جو کچھ امیدیں ہیں وہ انہی سے ہیں،

ہر حکومت اپنے مطابق کے آدمی پیدا کر لیتی ہے اس لئے وہ قابلِ الزام نہیں، مگر ایک جمہوری حکومت سے یہ سوال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جمہور مسلمانوں کی آواز کو نظر انداز کر کے ان لوگوں کو مسلمانوں کا نمائندہ اور ترجمان قرار دینا جن کو مسلمانوں کا ادنیٰ اعتماد بھی حاصل نہیں ہے۔ کونسی جمہوریت ہے، یہ لوگ تو اپنے غلط مشوروں سے مسلمانوں کو حکومت سے اور دور کرتے ہیں۔ اگر وہ ان کو محض اپنا آلۂ کار بنانا چاہتی ہے۔ تب تو کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر حقیقۃً مسلمانوں کو مطمئن کر کے اُن کو قریب لانا چاہتی ہے تو مسلمانوں کے معاملات میں، ان مسلّم تنظیموں اور شخصیتوں کو نمایندگی کا حق ہے جن کو مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے، اُن کو فرقہ پرست کہہ کر خاموش تو کیا جا سکتا ہے لیکن مطمئن نہیں کیا جا سکتا، جو نہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے۔ اور نہ ایک جمہوری حکومت کے شایانِ شان ہے،

مقالات

مولانا محمد علی کی یاد میں

از سید صباح الدین عبد الرحمٰن

(۵)

مولانا محمد علیؒ نے نہ صرف اپنی تقریروں سے انگلستان میں انگریزوں اور انکی حکومت کے ضمیر کو خلافت کے مسئلہ پر بیدار کرنے کی کوشش کی، بلکہ امریکہ اور اس زمانے میں ہونیوالی سپریم کونسل کی توجہ بھی خلافت کے مسئلہ کی طرف دلائی، سین ریمو میں سپریم کونسل کے اجلاس میں عثمانی سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کیا جانے والا تھا، مولانا محمد علیؒ نے اس کونسل میں وفد کے خیالات کو پیش کرنے کیلئے ہر طرف لمبے لمبے تار دیئے اور خطوط لکھے، لیکن انگلستان کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے اپنے فاتحانہ غرور اور پندار میں وفد کی اس خواہش کو ٹھکرا دیا، مگر مولانا محمد علیؒ ہمت ہارنے والوں میں نہ تھے، انھوں نے اپنی کوشش سے کنگسوے ہال میں ایک بڑا اجتماع کرایا اور ایسے انگریزوں کو جمع کیا، جو ترکوں سے ہمدردی رکھتے تھے، وہ دل میں ہمدردی نہ رکھتے ہوں، لیکن مولانا محمد علیؒ کی شخصیت اور جادو بیانی کا یہ اثر تھا کہ ان انگریزوں کی زبان سے انگریزی حکومت کی عیاری اور مکاری کا پول کھلوا دیا، اس جلسہ میں حاضرین کی بہت بڑی تعداد تھی، اسکی صدارت اس زمانہ کی لیبر پارٹی کے مشہور لیڈر جارج لینبری نے کی، اور ان کو یہ کہنا پڑا کہ جب ادھر کے دو تین برسوں کی تاریخ لکھی جائیگی، تو مورخوں کو یہ لکھنا پڑیگا کہ جب جمہوریت کی حکمرانی تھی، تو لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کی قسمت کا فیصلہ اٹلی یا کسی اور جگہ بیٹھکر وہ تین عمر آدمیوں نے کر دیا، یہ تین بڑے آدمی Big Three اور ان کے ایک درجن ساتھیوں

اور ان ہی کی قسم کے اور لوگوں کی زیادتی تھی، کہ وہ دنیا کا نقشہ بدل رہے تھے، اور قومیت کے نام پر ایسی حکومت قائم کرانا چاہتے تھے، جو یہ قومیں خود تو اپنے لئے نہیں چاہتی تھیں، بلکہ یہ چند معزز لوگ اپنے مفاد کے لئے چاہتے تھے، پرانے زمانے میں استبداد پسند حکمراں وہ سب کچھ کر ڈالتے تھے، جو عام لوگوں کے مفاد کے خلاف ہوتا تھا، اور ان کو کوئی خبر بھی نہیں ہوتی تھی، وہ اسی لئے استبداد پسند حکمراں کہلاتے تھے، لیکن موجودہ دور میں جمہوریت کے سیاست داں کیا کر رہے ہیں، وہ مل بیٹھتے ہیں، عام لوگوں سے مشورے بھی نہیں کرتے ہیں، اور دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر دیتے ہیں، اور یہ جمہوریت کے علم بردار اپنے مفاد کی خاطر وہ سب کچھ کر جاتے ہیں جو پرانے زمانے کے جابر حکمراں سوچ بھی نہیں سکتے تھے، جارج لینسبری نے زور دیکر کہا کہ مورخ یہ لکھیں گے کہ اس وقت جو صلحنامے کئے جا رہے ہیں وہ سراسر عیاری اور دھوکہ بازی تھی، جو جمہوریت کے نام پر عمل میں آئے،

اس جلسہ میں انگریزوں میں کرنل ویجوڈ ایم۔ پی، مسز ڈسبارڈ اور مسٹر بی ہارنی مین بھی موجود تھے، سروجنی نائیڈو کی تقریریں ہوئیں، وفد خلافت کی طرف سے سید حسین نے مسئلہ کی وضاحت کی، لیکن جمہوری دور کا اب یہ منافقانہ مسلک ہو گیا ہے کہ دلپذیر اور دل نشیں تقریروں سے سامعین کے دلوں کو خوش کر دو، اور کرو وہی جو خود چاہتے ہو،

مولانا محمد علی نے بی جی ہارنی مین کی صدارت میں مانچسٹر میں ایک جلسہ اور کرایا، پھر وفد کو کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک عصرانہ بھی دیا گیا، وہاں بھی ایک اچھا اجتماع ہوا، یہ وفد اڈنبرا اور آکسفورڈ بھی گیا، پیرس کا سفر دو مرتبہ ہوا، ہر جگہ وفد نے اپنے حالات کا اظہار موثر انداز میں کیا، ٹیونس، مراکش، حجاز اور مصر وغیرہ کے وفدوں

سے بھی ملتا رہا، دنیا کے وزرائے اعظم اور رہنماؤں کو تار بھی بھیجتا رہا، لیکن یہ ساری کاوشیں مفید ثابت نہیں ہوئیں،

استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی اس وفد کے ساتھ تھے، وہ وفد کی سرگرمیوں کا حال اپنے بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کو مختلف خطوط میں ہندوستان لکھتے رہے، جو اب برید فرنگ کے نام سے شائع ہو گیا ہے، اس سے وفد کی ساری تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں، حضرت سید صاحب کے جو تاثرات اس سلسلہ میں ہوتے رہے، انکی جستہ جستہ تھوڑی سی جھلکیاں ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں، اس سے انگلستان کے جمہوری اور سیاسی ذہن کا بھی اندازہ ہوگا، اور سید صاحب کے اسلامی درد اور تڑپ کی کیفیت بھی سامنے آجائیگی،

"جب سے ہمارا وفد یہاں آیا ہے اپنے کام میں شب و روز منہمک ہے، آخری فیصلہ جو کچھ ہو، اور یقیناً وہ تمام تر ہماری خواہشوں کے مطابق نہ ہوگا، لیکن ہم کو اپنا فرض ادا کرنا ہے، بیمار اگر مر گیا تو تیمار دار کے حقوق فراموش نہ ہونگے، لیکن مسلمان اس سے ناامیدی کا سبق نہ لیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے اپنے دشمن کو تاریخی دشمن سمجھنا چاہئے، اور ہلاکو وچنگیز کے بعد ایک تیسرے نام کا اور اضافہ کرنا چاہئے، اور پھر نئے سرے سے ہم ایک نئی دیوار قائم کریں گے، اور ضرور قائم کریں گے، یورپ آکر ہم کو جو نئی بات ملی وہ یہ ہے کہ ہم اپنی عالمگیر تباہی سے مایوس نہ ہوں، یہاں متعدد قومیں ہیں جو ہماری طرح خستہ حال ہیں، انھوں نے اب تک ہمت نہیں ہاری ہے، اور مشغول جد و جہد ہیں، ان کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہے، اور مسلمان تو دنیا میں اپنی بیشمار تعداد رکھتے ہیں وہ کیوں مایوس ہوں، ہزاروں سال کے بعد کون کہہ سکتا ہے، کہ یہودی رومیوں کی آخری

ستمگری کے بعد دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھ کر ۱۹۲۰ء میں تلوار پکڑ کر فلسطین میں اپنا حق قائم کر لیں گے
لیکن اگر سچ پوچھو تو ترقی کے لیے نہ تو تعداد کوئی چیز ہے اور نہ رقبہ کا کوئی سوال ہے، صرف روحانی
طاقت اور اخلاقی قوت اصل بنیاد ہے، روحانی طاقت اور اخلاقی قوت سے خدا جانے تم کیا مطلب
سمجھو، رقبہ اور تعداد کے لحاظ سے روس اور جاپان میں کیا نسبت ہے؟ انگلینڈ اور ہندوستان
میں کیا مناسبت ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان اب اس نئے عقیدہ کو اچھی طرح سمجھ لے (۱۲ اپریل ۲۳ء)

یہاں آکر ایک چیز میں نے بالکل نئی سنی اور معلوم ہوا کہ پالٹکس کی دنیا میں اس کا بڑا نظام ہے
اور وہ لفظ پروپگنڈا ہے، یعنی تم اپنے مقصد کے لحاظ سے سچ یا جھوٹ جو بات تمام دنیا کو تم
منوانا چاہتے ہو اسکو اخبارات، اشتہارات، جلسوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ سے اس قدر ہر جگہ
پھیلا دو کہ اس گنبد مینا کے نیچے، ہر گوشہ اور ہر کونہ سے وہی صدا سنائی دے، اور وہ تاریخی
واقعہ بن جائے، اور تمام مہذب قوموں کو اس کا یقین آجائے، خواص کو کتابوں میں اور عوام
کو ناٹکوں اور تھیٹروں میں وہی تماشے دکھائے جائیں، معلوم ہوا کہ یورپ میں طلب حقوق کا
یہی ذریعہ ہے، اور تمام قوموں نے باری باری سے اس کو آزمایا ہے، لیکن کس پر؟ غریب ترکوں
پر! یونان نے یہی کیا، سرویا اور بلگیریا نے یہی کیا، اب یہی نسخہ ارمنی آزما رہے ہیں، یہاں
پر قدم رکھنے کے ساتھ جس سے گفتگو ہوئی وہ اسی پروپگنڈے کا مسحور نظر آیا، کوئی امریکہ کا
رسالہ پیش کرتا ہے، کوئی امریکہ کے مشن کی رپورٹ کا حوالہ دیتا ہے، کوئی جرمن مستشرق
یا پادریوں کی یادداشت سناتا ہے، کوئی کسی سیاح کے بیان کا حوالہ دیتا ہے، اوکشن آف
سول یعنی روح کا نیلام ایک ناٹک لکھا گیا ہے، جو یہاں تمام تھیٹروں میں کھیلا جا رہا ہے اور
جس میں ترکوں کے مظالم اور آرمینیوں کی بیکسی کی خون آلود داستان ہے، میں چند صفحوں
سے زیادہ اس کتاب کو نہ پڑھ سکا، یہاں کے اخبارات میں ان کے اجرتی مضامین اور

اعلانات اس طرح شائع ہوتے ہیں کہ اب بہت کم اخبار گذشتہ بیانات کی تردید کے
لیے جگہ نکال سکتے ہیں، اخبارات میں ایک درخواست مظلومی و دادخواہی ارمنوں کی
طرف سے شائع کی گئی کہ اس کی خانہ پری کر کے لوگ اپنے دائرہ کے ممبران پارلیمنٹ کے
پاس بھیجیں، ترکوں کے شدید دشمنوں میں ایک بزرگ لارڈ برائس ہیں ہاؤس آف لارڈز
میں ان کے دیدار سے مشرف ہوا، انھوں نے تین چار سو صفحوں کی ایک کتاب مرتب کی اور
جو گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے شائع کی گئی ہے، اس میں مشنریوں اور بعض اخبارات اور
دیگر بظاہر مستند ذرائع کی شہادتوں کو جمع کیا ہے، جس کی بنیاد پر ترکوں کو ستمگری کا مورد بنایا ہے
اور ارمنوں کی معصومی بیچارگی اور بے گناہی پایہ ثبوت تک پہنچائی گئی ہے، یونانی انگلش انجمن
قائم ہے، جس کی طرف سے رسائل اور مضامین کا انبار لگ رہا ہے، جس میں یہ نظام تیار کیا
جا رہا ہے کہ یونان ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایشیائے کوچک اور دیگر مشرقی ممالک میں جس طرح حکمران
تھا اس کو پھر اسی طرح حکمران کر دیا جائے، سمرنا کا قبضہ اسی سفر کی پہلی منزل ہے (لندن ۱۱ اپریل ۲۳ء)

حجاز و شام کے عربوں کا وفد لندن آیا ہے، نوری سعید پاشا اور حداد پاشا نائبین امیر فیصل
اس کے سربراہ ہیں، پہلے صاحب مسلمان اور دوسرے عیسائی ہیں اور بھی چند مسلمان و عیسائی
ممبر ساتھ ہیں، ایک دن پہلے عربی میں ان سے خط لکھ کر دریافت کیا کہ اگر کوئی مانع سیاسی نہ ہو
تو ہم لوگوں کو ملنے کی اجازت دیں، ٹیلیفون سے جواب آیا کہ ۱۲ اپریل کو دس بجے ملئے، میں اور
محمد علی صاحب اُن سے ملنے گئے، سید حسین پیرس گئے ہوئے تھے کہ وہاں کی خبر لائیں، گھنٹہ ڈیڑھ
گھنٹہ ملاقات رہی، نوری سعید پاشا ایک نوجوان، تیز طبع، اور ہوش مند شامی عرب ہیں،
پہلے ترکی کی فوج میں لفٹنٹ تھے، اور اب جنرل ہیں، فوجی وردی میں تھے، بہت محبت اور
تپاک سے ملے، میں نے عربی میں خلافت و جزیرۃ العرب کے مسائل اور ہندوستان کے مسلمانوں

کی کیفیت اور ان کے مطالبات بیان کیے، اور ذرا موثر اور شاعرانہ عبارت میں مطلب ادا کیا، وفد وان کے اکثر ممبر انگریزی سمجھتے تھے، محمد علی صاحب سے رہا نہ گیا، انھوں نے انگریزی میں خطبہ شروع کر دیا، ترک وعرب کے اختلاف وجنگ نے اسلامی مصالح اور دینی مقاصد کو کہاں تک صدمہ پہنچا دیا، اس کی تفصیل کی، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مذہب کا درد اور ملت کا غم زیر خاکستر انگارہ ہے، جو عرب وعجم، ترک وکرد ہر دل میں جو کلمہ اسلام کا معتقد ہے، چھپا ہوا ہے تقریر کا سلسلہ ایسا موثر ہوا کہ دونوں طرف دل بھر آئے، اور آنکھوں سے اپنی بیکسی پر آنسو ٹپک پڑے، محمد علی کے دیدۂ پُرنم نے اوروں کو بھی رلایا، جنرل نوری سعید نے کہا، "میں خدا اور رسول اور اپنی عزت کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ یقین کرو کہ ہم نہ ترکوں کے مخالف تھے اور نہ ہیں اور خلیفۃ المسلمین سلطان المعظم کی خلافت کے منکر ہیں، اور نہ خاندان عثمانی سے کوئی بغض وعداوت ہے ہم کو ان چند نوجوان ترکوں سے مخالفت ہے، جو سالہا سال سے ترکی عنانِ حکومت پر قابض ہو گئے ہیں، اور جن کی پالیسی ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کے لئے مہلک ثابت ہوگی، یہ یقین کرلو اور خدا اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ یقین کرو کہ ہم عراق، شام، فلسطین اور عرب کے استقلال تام اور آزادی کامل کے طالب ہیں، اگر ہماری زمین کا ایک چپہ بھی کسی نے دبانا چاہا تو ہم لڑیں گے اور لڑینگے، اتحادی سلطنتوں کے تعلقات دوستانہ کے ہم دل سے خواستگار ہیں لیکن محکوم اور حاکم کے تعلقات ہم کبھی قبول نہیں کر سکتے، مسلمانان عالم کو ہم پر اعتبار کرنا چاہئے، عرب ترکوں سے زیادہ خدمت اسلام کے مدعی ہیں"، ہم نے کہا کہ اگر ہم کو یہ یقین ہو جائے کہ عرب موجودہ مشکلات عالم کا بار اٹھا سکیں گے اور دشمنوں کے مقابلہ کی طاقت پیدا کر سکیں گے تو ان سے زیادہ اسلام کی عزت وآبرو کا حامی اور کون ہو سکتا ہے، لیکن افسوس کہ یہ یقین پیدا کرنے کے وجوہ ہمارے پیش نظر نہیں، صرف طاقتور دشمن کا مقابلہ نہیں بلکہ

چالاک ترین، حیلہ ساز دشمنوں کا مقابلہ ہے، جن کے وعدوں کے الفاظ مقابلہ کی قوت وضعف کو دیکھ کر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، جن کے فلسفۂ اخلاق میں عدل وانصاف اور صداقت و ایمانداری کے الواب نہیں، جنرل نوری نے کہا تاریخ میں نے بھی پڑھی ہے، اور جانتا ہوں کہ کیونکر احوال بدلتے ہیں، ہم اپنے ملک کے لئے خالص آزادی کے طالب ہیں، کسی صورت کی حکم برداری یا کسی اور قسم کی حاکمیت ہرگز ہرگز گوارہ نہیں، اس معاملہ میں تمام عرب، عیسائی، یہودی مسلمان سب یکدل اور یک زبان ہیں، عیسائی ممبروں نے کہا کہ ہم اس معاملہ میں متفق ہیں ہم کو ارمنوں پر قیاس نہ کرو، ان کی قومیت الگ ہے، ان کی زبان ایک ہے، ہماری قومیت ایک ہے، ہماری زبان ایک ہے، ہمارا ملک ایک ہے، ارمنوں کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا کہ ان کی مظلومی وقتل عام کی داستان محض یاروں کی گپ اور وزارت خانوں کی من گھڑت ہے، ہم ترکوں سے تھریس وقسطنطنیہ اور سمرنا لینے کے حامی نہیں ہیں، محمد علی صاحب نے کہا کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح حکومت برطانیہ اور کینڈا اور آسٹریلیا میں تعلقات شہنشاہی ہیں اسی طرح پورے عرب کی آزادی اور مستقل حقوق کے ساتھ خلیفۃ المسلمین کی شاہنشاہی عرب وشام وعراق پر قائم رہے، لیکن اس کا انھوں نے جواب نہیں دیا، میں نے کہا مسلمانانِ ہند یہ تصور کرکے کہ عرب کی مقدس سرزمین بھی ان کے لئے اب امن وامان کا گھر نہیں، غمزدہ ہیں، وہ حاجیوں کی زبانی یہ سنکر کہ وہاں انگریزی فوج برسر اقتدار ہے، خون کے آنسو روتے ہیں، ہندوستان کے مقدس ترین عالم، علمائے ہند کے شیخ مسلم اور ہمارے ملک کے پیشوائے ملت وامام شریعت مولانا محمود الحسن نے ہندوستان سے ہجرت کرکے بلد الامین میں اقامت کی، وہ پالٹکس اور سیاست کے نام سے بھی آگاہ نہیں، وہ ہند سے بھاگ کر نور وایمان کے مسکن میں گئے

تھے، لیکن وہاں بھی انھیں پناہ نہ ملی، کیا یہ بلد الحرام کی تحقیر نہیں؟ جو عاصی و آثم کا بھی امن ہے لیکن امن نہیں تو اس مسلمان کے لئے نہیں جو ملت بیضا کا ہادی اور شریعت غرا کا شارح ہے، ہمارے صوبہ کی کونسل میں جب ان کی قید کے متعلق سوال کیا گیا، تو جواب ملا کہ ان کو برٹش گورنمنٹ نے نہیں، بلکہ عرب گورنمنٹ نے قید کیا ہے، اگر یہ سچ ہے تو کیونکر کسی عرب حکومت کی خود مختاری کا مسلمانان ہند کو یقین آئے، صداد پاشا نے کہا میں نے بھی اس کے متعلق کچھ سنا ہے، نوری سعید نے کہا مجھے معلوم نہیں، میں اس کی تحقیق کرونگا اور مولانا کا نام کاغذ پر لکھ لیا، اس کے بعد شکریہ ادا کیا، رخصت ہوئے اور دروازے تک نوری سعید نے مشایعت کی، (۱۴ اپریل ۱۹۲۰ء)

"یہ کیا کہتے ہو کہ وزیر اعظم سے مرعوب ہو گئے، مرعوبیت اتنی بھی ہوئی ہو جس قدر مجھے اپنے بھائی کے سامنے ہوتی ہو، تو کفر! اس انگلینڈ میں جہاں بادشاہ بھی رسمی اور قدیم الدستور تعظیم کے سوا کسی عزت کے مستحق نہیں، وزیر اعظم سے رعب کھانا قابل مضحکہ تخیل ہے، اب تک ارکان وفد کے جس قدر بیانات، تقریریں، اعلانات ہوتے ہیں ان کا عشر عشیر بھی ابتک کوئی ہندوستانی یہاں آکر ظاہر نہ کر سکا، اب تک کس ہندوستانی کو ہمت ہوئی تھی کہ انگلینڈ کی سرزمین میں آکر جہاد کی تہدید کرے، کس ہندوستانی نے یہ جرات کی تھی کہ انگلینڈ میں بیٹھ کر غیر بادشاہوں کے نام معروضے بھیجے، اب تک کس ہندوستانی نے یہ خطرہ گوارا کیا کہ یورپ کے دیگر وزراء کے سامنے اپنے بیانات پیش کرے،

(۱۲ جون ۱۹۲۰ء)

آپ کہتے ہونگے کہ وزیر اعظم نے جب سوکھا سا جواب دیدیا تو اب تم لوگ کیا کرتے ہو، بھائی جان! یہاں کی اندرونی پالٹکس یہ ہے کہ جب تک کوئی کام داقعی نہ ہو جائے

ان کو الفاظ کا طلسم جانو، کچھ پہلے بھی علم تھا لیکن اب علم الیقین ہے کہ بہترین مدبر یہاں وہ سمجھا جاتا ہے جو فن کذب و دروغگوئی میں سب سے زیادہ کمال رکھتا ہو، چنانچہ مسٹر لائڈ جارج یہاں کے بہترین مدبر ہیں، روزانہ پارلیمنٹ میں، اخباروں میں، اسٹیجوں میں ان کے مخالف بیان کی ایک نئی مثال ملتی ہے، اصول موضوعہ سلف ڈٹرمنیشن ہر جگہ ان کے لئے سیاہی کا داغ ہے، آجکل آئرلینڈ کے لئے ہوم رول بل پاس ہو رہا ہے، لیکن وہ لوگ اس اصول مسلمہ سلف ڈٹرمنیشن کی بنیاد پر ری پبلک کے طالب ہیں، ان کے جواب میں ۳۱ مارچ کی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ وہ قومیں ایک مدت درازیعنی صدہا سال سے برابر ایک حکومت کے ماتحت چلی آتی ہیں، ان کے سلف ڈٹرمنیشن کے کیا معنی؟ ذرا اس بیان کی تفسیر آپ اپنے لفظوں میں تو کیجئے،

فرانسیسیوں کے متعلق میری رائے بدل رہی ہے، میں ان کو بڑے درجہ کا منافق سمجھتا ہوں، ظاہری نمائشی اخلاق ان میں بہت ہے، دکھاوے کی ہمدردی ان کی خاص خوبی ہے، منہ پر ہر قسم کی چکنی چپڑی باتیں کریں گے، مگر دل میں جو نفاق ہے وہ ظاہر نہیں کرینگے دنیا کی حریت طلب اقوام کے بیسیوں وفود ان کی باتوں سے دھوکا کھاکر ان کے سہارے اپنی آزادی کے لئے اختر شماریاں کر رہے ہیں، (۱۰ جون ۱۹۲۰ء)

آج کل بالشویک سفیر کرین اور مسٹر لائڈ جارج میں کچھ چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہو رہی ہیں خبریں تو آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہونگے، مسٹر لائڈ جارج کا صاف وصریح مطلب یہ ہے کہ اگر بالشویک ہماری مشرقی پالیسی اور برطانوی سیاسیات میں دخل اندازی نہ کریں، تو ہمیں ان سے کوئی مخالفت نہیں، بالشویکوں کے مقابلہ میں اس وقت برطانوی پالیسی یہ ہے کہ انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے، پولینڈ، یوکرین تو پہلے ان کے مقابلہ میں کھڑے کئے گئے تھے اب

کریا بھی کھڑا کیا جا رہا ہے، صاف و صریح مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے
اگر وہ بھی ہماری طرح زار کے عہد ستم کی مطابق آمادہ و مستعد ہوں تو ہماری دوستی کا نذرانہ حاضر
ہے، ورنہ تمھیں بھی مسلمانوں کی طرح چین سے بیٹھنے نہ دیا جائیگا، ایشیائے وسطیٰ کی جن اسلامی
ریاستوں کو تم نے آزاد کیا ہے، یا تو انھیں پھر تم اپنا غلام بنالو یا مجھے اپنی غلامی میں انھیں لینے
دو، ایران و عراق کو یا تو مسلّم ہمیں ہضم کرنے دو یا تم اپنا حصہ لیکر ہم کو اپنا کام کرنے دو،
آپ سمجھتے ہیں کہ انگلینڈ نے آرمینیا کے لئے اس قدر کیوں زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا
ہے، صرف دو سبب سے ایک تو باکو کے تیل کے لئے، دوسرے اس لئے کہ ترکوں تاتاریوں
اور ترکمانوں کی مسلمان ریاستوں کے درمیان ایک آرمینیا نام کی دیوار قائم کردی جائے
تاکہ اتحاد اسلامی کا تخیل پورا نہ ہو سکے، ایران کے حدود میں برطانوی اور بالشویکی
آویزش محض بازی طفلانہ ہے، تاکہ پولینڈ کی برطانی سیاست کا ایران میں جواب دیا
جائے، کل کی خبر آپ نے پڑھی ہوگی، کہ انزلی کے بعد انگریزوں نے رشت بھی خالی کر دیا،
میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو بالشویک یا کسی اور کے بھروسہ پر ہرگز کام نہ کرنا چاہئے بلکہ
اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا چاہئے، کوئی ان میں مسلمانوں کا سچا بہی خواہ نہیں ہے، صرف
اپنا وجود ان کو آپ مطلوب ہے، فرانسیسی حلقہ میں یہ خیال ہے کہ چونکہ برطانیہ چاہتا ہے
کہ ایران پر اپنا پورا تصرف قائم کرے، لیکن اور ملک اس کے لیے منظوری نہ دینگے، اسلئے
بالشویکی حملوں کی نمایش کرکے لیگ آف نیشنز سے ایران کی حفاظت کی اجازت حاصل
کر لیجائے، بعض ارباب سیاست انگریز لارڈ جارج کی پالیسی کی سخت تنقید اخبارات میں
کر رہے ہیں، کرنل لارنس جس نے عربوں کو آمادۂ بغاوت کیا، اس کا خط بھی اخبارات
میں لارڈ جارج کی پالیسی کی مخالفت میں شائع ہوا ہے، مگر یہ مخالفت اس لئے نہیں کہ

یہ ہمارے وعدوں کے خلاف ہے، یا مسلمانوں کے مطالبات یہ ہیں بلکہ اسلئے ہے کہ عراق کی
آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہیں، اس لئے پرتا ٹھیک نہیں پڑتا، (۱۰ر جون ۱۹۲۰ء)
یورپ کی جمہوریت کا رعب تو یہاں آکر فوراً اتر گیا، یورپ کی جمہوری ترقی کی اصلیت
صرف اس قدر ہے کہ ابتدائے ایام میں صرف بادشاہ مالک ہوتا تھا، اس کے بعد زمیندار
و تعلقہ دار اور نواب ہو گئے تھے، اب تمامتر قوت تاجروں، دولتمندوں اور سوداگروں
کے ہاتھ میں ہے، ان کا مقصد سیاست صرف رونقِ تجارت اور حصولِ دولت ہے، اور
بس (۱۲ر جون ۱۹۲۰ء)

"ہندوستان کی طرف واپسی ہے، فلارنس (یعنی اٹلی کے ایک شہر) میں معلوم ہوا کہ
امیر فیصل چند روز پیشتر میلانو میں تھے، اور اب یہاں سے کچھ دور ایک قصبہ میں مقیم ہیں،
چنانچہ منزل مقصود قریب پاکر اس وقت ان کو رات کے دس بجے ٹیلیفون کیا، وہاں سے
جواب آیا اور یہ طے پایا کہ کل ۱۱ تاریخ کو گیارہ بجے ملاقات کا وقت مقرر ہو، دوسرے دن دس
بجے کے قریب روانہ ہوئے، موٹر سے سوا گھنٹہ کا راستہ تھا، سوا گیارہ کے قریب ان کے
ہوٹل میں پہنچے، ان کی طرف سے لطف اللہ ایک شامی عیسائی اور رستم حیدر ایک شامی
مسلمان نے استقبال کیا، اور ان کے کمرے میں لے گئے، کمرہ میں امیر فیصل کے علاوہ نوری سعید
ایک فوجی افسر، رستم حیدر اور امیر فیصل کا چھوٹا بھائی تھا، رسم ملاقات کے بعد میں نے عربی
میں ان سے گفتگو شروع کی، طعن و طنز، ذکر ماضی، فتنۂ حاضرہ، مصائب اسلام کے موضوع
کے بعد یہ بحث چھڑی کہ گذری جو گذرنی تھی، اب چاہیئے کیا کرنا، گفتگو میں بجائے جلالۃ الملک
(ہز مجسٹی کنگ) حسین کے ہمیشہ شریف حسین کہتا رہا، یہ گویا اشارہ تھا کہ مسلمانان ہند نے
تمھارے خطابات کو تسلیم نہیں کیا ہے، انھوں نے کہا کہ میری نسبت، میرے والد کی نسبت

میرے خاندان کی نسبت اور عموماً تمام عربوں کی نسبت عالم اسلام اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں میں بہت سے غلط خیالات پیدا ہیں، اور بہت سے الزامات قائم ہیں، افسوس ہے کہ واقعات اس قدر پر پیچ اور مخفی ہیں، کہ فیصلہ مشکل ہے، مگر وہ جب منصۂ اعلان پہ آجائیں گے تو تم کو اسلئے کہ ہماری نسبت یہ تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی، محمد علی صاحب نے بہت سی باتیں ان کے سامنے پیش کیں، خلافت کے مسئلہ کا ذکر کیا گیا، بلاد مقدسہ کے مستقبل پر گفتگو ہوئی، جو گمان تھا وہ تحقیق کو پہونچا، کہ اس احمق سے انگریز اور فرانسیسی سیاسی چالبازوں نے اس قدر زور زبانی اور تحریری عہد و مواثیق کئے تھے، کہ وہ مستقبل کو نہ سمجھ سکا، انھوں نے جس طرح مشرق کے ہر خائن قومی سے برتاؤ کیا ہے، وہی اس کے ساتھ بھی کیا، گو وہ اب بھی بہت کچھ امیدیں دلاتا ہے، لیکن جس کو پہلے پر اعتبار نہیں وہ آیندہ پر کیونکر اعتبار کر سکتا ہے، فیصل کا لمبا قد، لمبا منھ، چھوٹی چھوٹی ترشی ہوئی داڑھی اور بڑی بڑی آنکھیں ہیں، مسکرا مسکرا کر باتیں کرتا ہے، بہرحال ڈیڑھ گھنٹے کی گفتگو اور مباحثہ کے بعد ہم لوگ واپس ہوئے، اس نے وعدے تو بہت کچھ کئے ہیں، کچھ متاثر سا بھی معلوم ہوتا تھا، لیکن ہم میں سے کسی کو اس کی گفتگو پر اعتبار نہیں، لیکن بہرحال یہ ملاقات مفید رہی، اس وفد کا خاتمۃ الاعمال یہی ملاقات ہونی چاہئے تھی (فلارنس، ۹ ستمبر ۱۹۲۰ء)

یہ وفد انگلستان ہی میں تھا کہ سپریم کونسل نے صلحنامہ پر دستخط کرکے اپنا فیصلہ صادر کر دیا جسکا خلاصہ یہ تھا،

(۱) ترکی کی سرحدوں کا تعین ایک کمیشن کے ذریعہ سے کیا جائیگا، ترکی کے حدود میں تھریس کا وہ حصہ رہیگا، جو قسطنطنیہ سے ملا ہوا ہے، اسی طرح ایشیاے کوچک میں ترکی کے وہی علاقے اس کی سرحد کے اندر رہیں گے، جہاں ترکی کی آبادی کی اکثریت ہے،

(۲) قسطنطنیہ میں ترکوں کے حقوق اور حکومت میں مداخلت نہ کی جائے گی، لیکن انھوں نے صلحنامے کے شرائط کو پورا نہ کیا تو اس شرط میں تبدیلی کی جا سکتی ہے،

(۳) ایک کمیشن مقرر کیا جائیگا جو درۂ دانیال کے بحیرۂ روم کے اور باسفورس کے بحیرہ اسود کے ناکوں پر تین میل تک اپنا اقتدار رکھے گا، یہ ان دریاؤں میں امن اور جنگ کے زمانے میں آزادانہ جہازرانی کی دیکھ بھال کرتا رہے گا،

(۴) کردستان کے لوکل سلف گورنمنٹ کے لئے ایک اسکیم تیار کی جائیگی، وہاں کی اقلیتوں کا تحفظ کیا جائیگا، لیگ آف نیشنز کے ذریعہ سے برتے کیا جائیگا، کہ کرد کے لوگ اگر ترکی سے علحدہ ہونا چاہتے ہیں تو ان کو آزادی دی جائے،

(۵) سمرنا کے کچھ علاقے علحدہ کرکے یونان کی حکومت میں دیدیئے جائیں، ترکی کا اقتدار اعلیٰ اس پر چند برسوں کے لئے اس وقت تک تسلیم کیا جا سکتا ہے، جب تک سمرنا کے لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ خود نہ کر لیں،

(۶) تھریس کا مشرقی علاقہ یونان کے ماتحت کر دیا جائے، اڈریانوپل میں لوکل سلف گورنمنٹ کا انتظام کیا جائے،

(۷) ترکی کے آرمینیا کے اضلاع آرمینیا کی جمہوریت کے ماتحت کر دئے جائیں ترکی اور آرمینیا کی سرحدوں کا تعین امریکہ کے صدر کریں، ان کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا،

(۸) شام مسوپوٹومیا (یعنی عراق کا علاقہ) اور فلسطین عارضی طور پر آزاد ریاستیں قرار دیدی جائیں، لیکن ان پر نگرانی رکھنے والی قوتیں اُس وقت تک نگرانی کرتی رہیں گی جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہو جائیں، شام کی نگرانی فرانس کریگا، عراق اور فلسطین میں یہودیوں کا ایک قومی وطن ۸ نومبر ۱۹۱۸ء کے اعلان کے مطابق بنایا جائیگا،

(۹) حجاز ایک آزاد ریاست ہوگا، حجاز کا بادشاہ مکہ اور مدینہ میں مسلمان حاجیوں کو آنے کی اجازت دیتا رہیگا،

(۱۰) ترکی کو مصر، سوڈان اور سائپرس سے اپنے حق سے دست بردار ہونا پڑیگا،

(۱۱) ترکی کو مراکش اور ٹیونس پر فرانسیسی محافظت کو تسلیم کرنا پڑیگا،

(۱۲) ترکی کو ایجین کے جزیرے پر سے اپنے دعویٰ کو واپس لینا پڑیگا،

(۱۳) ترکی کو اپنی بری، بحری اور ہوائی طاقت کو کم سے کم کرنا ہوگا، سلطان کے محافظ دستے سات سو ہوں گے، اندرونی امن کے رکھنے اور اقلیتوں کو محفوظ کرنے کی خاطر پچاس ہزار لشکری رکھے جا سکتے ہیں، ترکی کے بحری بیڑے جو جنگ میں پکڑے گئے، وہ ضبط کر لئے جائیں، ترکی بحری بیڑے میں چھ غوطہ زن کشتیاں اور سات غرابین رکھی جا سکتی ہیں، ترکی کو بحری بری اور ہوائی فوجوں کے رکھنے کی اجازت نہ ہوگی،

(۱۴) ترکی خزانہ پر بھی اس وقت تک نگرانی رکھی جائیگی، جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو جائے، کہ اس نے بین الاقوامی ذمہ داریاں پوری کیں،

صلح نامے کے ان شرائط پر پچاس برس کے بعد اب غور کیا جائے، تو یہی فیصلہ کرنا پڑیگا کہ یورپ کی جمہوری قوتوں نے ترکی کے لئے وہ سب کچھ کیا، جو اپنے زمانہ میں چنگیز خانی بھی نہیں کر سکتے تھے، ترکی امپائر کی نہ صرف تکا بوٹی کر دی گئی، بلکہ ترکی کے لئے جو انتہائی ذلت آمیز شرطیں ہو سکتی تھیں، وہ سب صلحنامے میں رکھی گئیں،

ترکی امپائر کو ختم کر کے اسلام کی اجتماعی قوت برباد کر دی گئی، اور اس کی مرکزیت کو اس طرح پاش پاش کر دیا گیا کہ پھر مجتمع نہ ہو سکی، یہ نہ صرف ترکی امپائر بلکہ اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش تھی، جو کامیاب ہوئی، ترکی امپائر کے خاتمہ کے بعد اسلام کی سیاسی قوت اجتماعی حیثیت سے پھر موثر نہ ہو سکی، اسلام کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر مجتمع نہ ہو سکا، ترکی میں خلافت ۱۵۱۷ء سے قائم ہوئی تھی، اور اس وقت سے ۱۹۲۲ء

تک تقریباً ۹۰ خلفاء ہوئے، مگر ترکی امپائر کے خاتمہ کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں خلافت بھی ختم ہو گئی، جو اسلامی تاریخ کا ویسا ہی المناک حادثہ ہے، جیسا کہ بنو امیہ، بنو عباس اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے سقوط کا تھا، اس صلحنامہ سے متعلق انگلستان میں خلافت کے وفد کے ارکان پر کیا اثرات مترتب ہوئے، وہ استاذی المحترم کے ایک خط کے حسب ذیل ٹکڑے سے ظاہر ہوگا

"اس عہدنامہ کی مفصل کاپی ہمارے ہاتھ میں ہے، اگر یہ اس صورت میں تسلیم کر لیا گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیائے اسلام کا خاتمہ ہو گیا، مصر، سوڈان، ٹیونس، مراکو، طرابلس، تھریس، سمرنا، ارض روم، شام، عراق، کردستان، اور حجاز پر دشمنوں کا قبضہ تمام دنیا نے قبول کر لیا، اور باقی ترکی کی حالت مصر یا حیدرآباد کی ہو جائیگی، مقامات مقدسہ برٹش اقتدار میں آجائیں گے، کیا اس ننگ کو پیروان محمدؐ ماننے کو تیار ہیں، سیاست کے پردہ میں مذہبی تعصب کا کھیل کھیلا جا رہا ہے، (۲۰ مئی ۱۹۲۰ء)

"صلح ٹرکی کے دفعات اور واقعات تو اخباروں سے معلوم ہوئے ہونگے، لیکن وہ صرف سرکاری خلاصہ ہے، اصل صلحنامہ کے شرائط و دفعات ایک اچھی خاصی تصنیف ہے، جس کے معنی صفحۂ کائنات سے ٹرکی کو محو کر دینا ہے، نیشن ایک مشہور ہفتہ وار صحیح الفکر انگریزی اخبار ہے، جس میں ایک مضمون نگار نے لکھا ہے کہ صلح ٹرکی کے معنی انگریزوں کو تیل، اہل اٹلی کو کوئلہ اور فرانس کو ریل ہے، (پیرس، ۲۰ مئی ۲۰ء)

صلحنامے کی آڑ میں ترکی امپائر کی لوٹ میں یونان، فرانس اور برطانیہ سب ہی شامل ہو گئے، آرمینیا ایک الگ علاقہ ہو گیا، شام پر فرانس ایک انتدابی قوت Mrotadnar Power کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا، عراق اور فلسطین پر برطانیہ انتدابی طاقت کے روپ میں مسلط ہو گیا، فلسطین میں یہودیوں کا قومی گھر بن گیا، حجاز کو ایک آزاد ریاست تسلیم کیا گیا، مگر اس کے

حکمراں شریف حسین انگریزوں کے دست نگر کیا بلکہ غلام بن کر رہ گئے، مصر اور سوڈان پر انگریزوں کی بالادستی رہی، مراکش اور ٹونس پر فرانس کا استیلا ہو گیا، اور یہ سب کچھ حق خود اختیاریت کے نام پر کیا گیا، عربوں نے قومیت کے جوش میں ترکوں کی پیٹھ میں ضرور چھرا مارا، اب پچاس سال کے بعد تاریخ کا کیا فیصلہ ہے، عراق، اردن، شام، لبنان، مصر، لیبیا، ٹونس، مراکش، سوڈان اور الجیریا وغیرہ میں عربوں کی حکومتیں ضرور ہیں، مگر ان کی حیثیت کیا ہے؟ وہ یورپ اور امریکہ کی بڑی قوموں کے محض سیاسی کھلونے ہیں، ان قوتوں کے ہاتھوں وہ کٹھ پتلی ہیں، عرب اپنی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں، انھوں نے اپنے کو عرب نیشنلزم کے نام پر متحد کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہیں، وہ اپنی تاریخ پیچھے مڑ کر دیکھیں، تو ان کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ٹرکش امپائر نے مذہب اور اسلام کے نام پر مسلمانوں اور ان کے علاقوں کو تقریباً چار سو برس یکسر متحد رکھا، مذہب اس دور میں خواہ کتنا ہی مطعون ہو، لیکن اس کے پیچھے جو تاریخ اور اس کا جو یہ فیصلہ ہے، اس کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے،

اس زمانہ میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ تھے، انھوں نے ہندوستان میں ان شرائط کو شائع کیا تو ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بیان دیا کہ سپریم کونسل نے بڑے غور و خوض اور احتیاط کے ساتھ یہ فیصلے کئے ہیں، اور ہز مجسٹی کی ہندوستانی سلطنت کی مسلمان رعایا کے ان جذبات کا خیال رکھا ہے، جو انھوں نے مختلف یادداشتوں کے ذریعے ہز مجسٹی کی حکومت کو پیش کیا تھا، ان فیصلوں میں اعلیٰ اصولوں کو سامنے رکھا گیا ہے، گو ان کی بعض باتیں مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گی، لیکن میری ہمدردی اور حوصلہ افزائی ان کے ساتھ ہے، برطانوی امپائر کے آڑے وقت مسلمان بہت کام آئے انھوں نے بادشاہ سلامت کی آواز پر بڑا شاندار تعاون کیا، انھوں نے اس انصاف

کی فتح و کامرانی میں پورا ساتھ دیا جس کے لئے اتحادی لڑتے رہے، اب برطانوی امپائر ایک مضبوط بنیاد پر نئے اصولوں کے ساتھ قائم ہو چکا ہے، اس کے اندر ہندوستان کے مسلمان اپنی سیاسی ترقی اور مادی خوشحالی کے لئے پورے کوشاں ہو سکتے ہیں، برطانوی حکومت کے اندر مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی رہی، جنگ عظیم سے پہلے برطانیہ ترکی کا دوست تھا، اس صلحنامہ کے بعد برطانیہ اور ترکی میں دوستی کا رشتہ پھر جلد قائم ہو جائیگا، اور یقین ہے کہ ترکی پھر سے ابھر کر اسلام کا ستون بن جائیگا، اور یہی امید ہے کہ یہی خیال مسلمانوں کو صلحنامے کے شرائط کو بہت صبر اور تحمل کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ کرے گا، اور وہ برطانیہ کے تاج کے وفادار رعایا بنکر رہیں گے،

ہندوستان میں برطانیہ کی سیاست میں ایسی میٹھی چھریاں برابر چلتی رہیں، اس کے مدبر اپنی سفاکی، عیاری اور دھوکہ دھڑی پر خوبصورت نقاب ڈالنے میں بڑے ہوشیار تھے، اور اسی نقاب پوشی سے حکومت کرتے رہے، مگر ہندوستانی جاگ چکے تھے، انگریزوں کی عیارانہ سیاست سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے، اس لئے لارڈ چیمسفورڈ کی اپیل کا اثر مسلمانوں پر نہیں ہوا، انھوں نے ایک جواب مرتب کیا، جس پر اس زمانہ کے رہنماؤں میں سے یعقوب حسن، مظہر الحق، مولانا عبدالباری، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر کچلو، میاں محمد چھوٹانی اور مولانا شوکت علی کے دستخط تھے، انھوں نے اپنی یادداشت میں وائسرائے کو مہذب طور پر بتایا کہ اس صلحنامہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں، ہندوستان کی حکومت نے مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے، یہ صریحاً خلاف ورزی ہے، ترکی کے ساتھ انتہائی طور پر بے انصافی کی گئی ہے، اتحادیوں نے جن اور قوموں کو شکست دی ہے، ان کے ساتھ اتنا برا سلوک نہیں کیا گیا ہے، پھر وائسرائے سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ اتحادیوں پر زور دیں کہ صلحنامے میں ترمیم کی جائے تاکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا اشتعال کم ہو، معروضہ کے آخر میں یہ کہا گیا کہ اگر اس میں ترمیم نہ ہوئی تو

ہندوستان کے تمام مسلمان حکومت ہند سے عدم تعاون کریں گے، اور عدم تعاون کی یہ تحریک پُر امن طریقہ پر چلائی جائیگی،

لارڈ چیمسفورڈ کی طرف سے جو جواب ملا، وہ مایوس کن تھا، مسلمانوں میں بڑا اشتعال پیدا ہوا، جلیان والا باغ اور رولٹ ایکٹ سے بے چینی، بد ظنی اور آزادی کی خاطر قربانی کرنے کے جذبات پہلے ابھر چکے تھے، اتحادیوں کے فیصلہ سے برطانوی حکومت کے خلاف ہندوستان کے ہر طبقہ میں نفرت پھیل گئی، پھر تو ہندو مسلمان کے میل ملاپ کا وہ منظر دیکھنے میں آیا کہ ملک کے گوشے گوشے میں اس اتحاد کے دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں، اس وقت ہندوستان میں گاندھی جی کی مقبولیت اور محبوبیت کا دور شروع ہو گیا تھا، وہ مولانا محمد علیؒ سے شیر و شکر ہو چکے تھے، مولانا محمد علیؒ خلافت کی جنگ انگلستان کے محاذ پر لڑ رہے تھے، اور گاندھی جی خلافت کی حمایت میں مسلسل بیانات دے رہے تھے، اپنے ہفتہ وار اخبار ینگ انڈیا میں تحریریں لکھ کر ہندو مسلمان دونوں کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے، انھوں نے اپنی ایک تحریر میں لکھا کہ "ترکی کو جو سزا دی گئی ہے، وہ مسلمانوں کے جذبات کے مطابق ناقابل برداشت ہے، برطانوی حکومت نے ہندوستانی مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے، وہ پورے نہیں کئے، ان کے مذہبی جذبات کا لحاظ نہیں رکھا گیا، گاندھی جی نے ہندوؤں کو مخاطب کر کے لکھا کہ مسلمانوں کا مطالبہ صحیح ہے، ہندوؤں کا اس کی پوری حمایت نہ کرنا ایک بزدلانہ عہد شکنی ہوگی، پھر وہ مسلمانوں کی جانب سے کسی رعایت کے حق کو بالکل تلف کر دیں گے، اس لئے پبلک کے ایک خدمت گذار ہونے کی حیثیت سے میں ہرگز اس پوزیشن کا مستحق نہ ہونگا، جس کا میں دعویٰ کرتا ہوں، اگر میں نے خلافت کو برقرار رکھنے کی جنگ میں مسلمانوں کی حمایت نہ کی"

(ینگ انڈیا، ۲۰ر اپریل ۱۹۲۰ء)

گاندھی جی نے جہاں خلافت کی حمایت میں طرح طرح کے دلائل دیئے وہاں ہندوؤں کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے یہ بھی لکھا میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ میرے اور مولانا محمد علی کے نزدیک مسئلہ خلافت مرکزی اہمیت رکھتا ہے، مولانا محمد علی کا تو یہ مذہب ہے اور میرے نزدیک اس کی مرکزی حیثیت اس وجہ سے ہے کہ خلافت کی خاطر میں اپنی جان پیش کر کے گائے کو جو میرا دھرم ہے، مسلمانوں کی چھری سے محفوظ کر سکوں گا (ینگ انڈیا

۱۱ر مئی ۱۹۲۰ء)

مولانا محمد علی اپنے وفد کے ساتھ انگلستان ہی میں تھے کہ مولانا شوکت علی نے اور مسلمان رہنماؤں کے ساتھ برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک چلانے کا پورا عزم کر لیا، گاندھی جی ہندوستان کی آزادی کی لڑائی کو تیز سے تیز تر کرنا ہی چاہتے تھے، انھوں نے بھی عدم تعاون کی تحریک کی حمایت کی اور لارڈ چیمسفورڈ کو حسب ذیل خط لکھ کر اپنی دھمکی سے بھی مطلع کیا،

یور اکسلنسی!

مجھ پر آپ کا تھوڑا بہت اعتماد رہا ہیں بھی برطانوی امپائر کا فرمانبردار بھی خواہ ہونیکا دعویٰ کرتا ہوں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے ذریعہ بادشاہ سلامت کے وزراء پر خلافت کے سوال پر اپنی رائے کو ظاہر کر دوں، جب جنگ شروع ہوئی تو میں لندن میں تھا، انڈین والنٹیرز ایمبولنس کور کی تنظیم کر رہا تھا، اسی وقت سے مجھکو خلافت کے مسئلہ سے دلچسپی ہوئی، اس وقت میں نے محسوس کیا کہ لندن میں جو تھوڑے بہت مسلمان تھے، انکو اس بات پر تشویش تھی کہ ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا ہیں جب جنوری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان آیا تو ہندوستان کے جن مسلمانوں سے میری ملاقات ہوئی، ان میں بھی تشویش اور تردد پایا انکا یہ تردد اور بھی گہرا ہو گیا، جب انکو پوشیدہ صلحناموں کی خبریں معلوم ہوئیں، ان کے ذہن میں برطانوی ارادوں کی بے اعتمادی پیدا ہوئی ان پر مایوسی طاری ہو گئی، اس وقت میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو مایوس نہ ہونے کی نصیحت کی، ان کو اپنے خوف امید کا اظہار پر امن طریقہ پر کرنے کو کہا، یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے گذشتہ پانچ سال بڑے

ضبط و تحمل سے گذارے، انکے رہنماؤں نے انکو متشددانہ طریقہ پر بے قابو ہونے کے بجائے قابو میں رکھا، اب صلحنامہ کی جو
شرائط شائع ہوئے ہیں، اور آپنے انکی جو موافقت کی ہے اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسا شدید صدمہ پہنچایا کہ اس سے
جانبر ہونا مشکل ہے، صلح کی شرطیں ان وعدوں کے خلاف ہیں جو برطانوی وزراء نے کئے تھے، اور ان میں مسلمانوں کے جذبات
کا لحاظ بالکل نہیں رکھا گیا ہے، میں ایک پکے ہندو کی حیثیت سے اپنے مسلمان ہموطنوں کے ساتھ پوری دوستی
کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں، یہ بھارت کا نالائق سپوت ہوگا اگر ان مسلمانوں کی آزمایش کے وقت انکا ساتھ
نہ دیگا، میری حقیر رائے میں وہ حق پر ہیں، ان کا مطالبہ ہے کہ اگر انکے جذبات کا لحاظ ہے، تو ترکی کو سزا نہ
دینی چاہیے، مسلمان سپاہی جنگ اسلئے نہیں کرتے، کہ ان کے خلیفہ کو سزا دیجائے یا اسکو اسکے علاقہ سے محروم
کر دیا جائے، گذشتہ پانچ سال کے عرصہ میں مسلمانوں کا جو رویہ رہا ہے، اس میں یکسانیت رہی ہے،
میں برطانوی سلطنت کا وفادار رہا ہوں، اسی وفاداری کی بنا پر میں اس ظالمانہ تشدد کا مقابلہ کرنا
چاہتا ہوں جو مسلمانوں کے جذبات کے ساتھ کیا گیا ہے، جہانتک مجھ کو علم ہے، مسلمانوں اور ہندوؤں
دونوں کو برطانوی انصاف اور رویہ پر اعتماد نہیں، ہنٹر کمیٹی کے اراکین کی اکثریت کی جو رپورٹ ہے، پھر
آپ کی اس پر جو تحریر ہے، اور مسٹر مانٹیگو نے اس کا جو جواب دیا ہے، اس سے بداعتمادی اور بھی زیادہ
بڑھ گئی ہے،

مجھکو برطانوی دستور کا خیال ہے، لیکن میں نے اپنے مسلمان دوستوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ
آپ کی حکومت کی حمایت نہ کریں، ہندوؤں سے بھی یہ کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں، جب تک
صلحنامہ کی شرطوں میں برطانوی وزراء کے وعدے اور مسلمانوں کے جذبات کے مطابق ترمیم نہ ہو جائے،
ترک موالات کی تحریک اب بھی روکی جاسکتی ہے، مسلمانوں نے آپکے پاس جو تحریر بھیجی ہے اس میں
آپ سے درخواست کی ہے، اس تحریک کی رہنمائی آپ خود کریں جس طرح کہ آپکے پیشرو نے جنوبی افریقہ
کے ہنگامہ کے موقع پر کی تھی، اگر آپ ایسا نہ کر سکے اور ترک موالات کی تحریک لابدی سمجھی گئی، تو میں
امید کرتا ہوں آپ مجھکو اور ان لوگوں کو جنھوں نے میرے مشوروں کو قبول کیا ہے، اس بات پر آفرین
کہیں گے کہ جو کچھ ہوا وہ ایک اہم فرض کی ادائیگی کے لئے کیا گیا،

بمبئی ۲۲ جون ۱۹۲۰ء — مجھکو فخر ہے کہ میں آپکا فرمانبردار خادم ہوں

ام ۔ کے ۔ گاندھی

(باقی)

مولانا شبلی نعمانی کا نثری اسلوب

(۱)

جناب عبدالخالق صاحب پٹنہ

مولانا شبلی نعمانی کے نثری اسلوب کا جائزہ لینے سے قبل مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے
ہم اسلوب کے مفہوم کا تعین کرلیں تاکہ ایک نثرنگار اور صاحب طرز نثرنگار کی حیثیت سے
اُن کا مقام متعین کرنے میں سہولت ہو۔

اسلوب کو عام طور پر طرز تحریر یا انداز نگارش کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے،
یعنی کسی مصنف کی تحریر کی جو مخصوص نہج، روش اور ڈھرا ہوتا ہے اسکا تذکرہ کرکے
یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں ادیب کا انداز تحریر آسان، سلیس و سادہ اور عام فہم ہے اور
فلاں کی طرز تحریر گنجلک مغلق اور پیچیدہ ہے اور فلاں کا انداز بیان رنگین، مرصع،
اور ڈرامائی ہے، بلاشبہ اسلوب کا مفہوم اس سے واضح ضرور ہوجاتا ہے لیکن یہ مفہوم
سطحی ہے۔

اسلوب وہ آئینہ ہے جس میں فن اور فنکار دونوں اپنے تمام نشیب و فراز اور
رنگ و آہنگ کیساتھ منعکس ہوجاتے ہیں، اس کی گہرائی میں اترنے سے حیرت انگیز

اور تعجب خیز نتیجہ برآمد کرتا ہے، اسلوب کو بہتر طور پہ برتنے سے اگر علم و فن کو دوام حاصل ہوتا ہے تو یہ فنکار کی شخصیت کو بھی بے نقاب کرتا ہے، اس کی مزید توضیح یہ ہوسکتی ہے کہ ہر ادیب کے سامنے دو منزلیں آتی ہیں، پہلی منزل تجربہ و مشاہدہ کی ہے یعنی فنکار جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے وہ اس کے احساس کو جھنجھوڑ کر اور جذبات میں تلاطم پیدا کر کے تخلیق پر اکساتا ہے، اس کے بعد دوسری منزل پیش کش کی آتی ہے جس میں فنکار مشاہدہ و تجربہ کو اپنے فکر و شعور، ذوق و ظرف، مزاج و میلان کی روشنی میں دیکھتا اور انھیں پیش کرتا ہے یعنی ایک طرف خارجی اثرات کارفرما ہوتے ہیں اور دوسری طرف داخلی محرکات اسکے اظہار کیلئے مجبور کرتے ہیں، اس کے لئے جس وسیلۂ ابلاغ کا سہارا لیا جاتا ہے اسے اس موضوع کا اسلوب کہتے ہیں۔

اسلوب کی وضاحت دو طرح سے کی گئی ہے، فنکاروں اور دانشوروں کے ایک طبقے نے خارجی اجزاء — مثلاً الفاظ کے انتخاب میں سلیقہ مندی، فقروں کی تراش و خراش میں مہارت، پیراگراف کی ترکیب میں چابکدستی، صنعتوں کے فنکارانہ استعمال وغیرہ کی اہمیت کے لحاظ سے اسلوب کی وضاحت و صراحت کی ہے کیونکہ اسلوب، طرز، سبک، شیلی، اور اسٹائل اپنے بنیادی مفہوم کے لحاظ سے زیب و زینت عطا کرنا، کلام کو حشو سے پاک کرنا، بیل بوٹے بنانا وغیرہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے، قدیم سنسکرت کے عالموں مثلاً اچاریہ بھرت، راج شیکھر اور بھوج نے ریتی (रीति) لفظ کا استعمال اخلاق و آداب، تراش و خراش کے لئے کیا ہے، یہی مفہوم انگریزی مصنفوں کے یہاں بھی ملتا ہے، ہندی میں اس کے لئے شیلی (शैली) مستعمل ہے جس کی تشریح ان لفظوں میں ملتی ہے:

"शीलमेव स्वार्थ अंण्डीप/चरित्र आचार्याणिमियं शैली"

یعنی شیلی نام ہے حسن اخلاق و اطوار اور خوبیٔ فطرت و عادت کا،

ملک الشعراء محمد تقی بہار نے اسلوب یا سبک کو اس کے بنیادی مفہوم میں ہی استعمال کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

"سبک در اصطلاح ادبیات عبارتست از روش خاص ادراک و بیان افکار بوسیلۂ ترکیب کلمات و انتخاب الفاظ طرز تعبیر سبک یک اثر ادبی وجہ خاص خود از لحاظ صورت و معنی و القا می کند و آں نیز بنوبۂ خویش وابستہ بہ طرز تفکر گوینده یا نویسنده در بارۂ حقیقت می باشد" (سبک شناسی جلد اول مقدمہ)

انگریزی کا ایک مصنف اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ کسی فرد کیلئے جو اہمیت سلیقہ، تہذیب اور ادب کی ہے تحریر میں یہی اہمیت اسلوب کو حاصل ہے، یعنی اسلوب تحریر کی تزئین و تحسین کا واحد وسیلہ ہے، ورس فولڈ کہتا ہے:-

"What manner is to the individual, style is to the writer. It is right, therefore to say that style is the man in the same sense and with the same reservations as we say, "manners makyth man."

(W.B. Worsfold: Judgement in Literature P. 92)

یہی آواز بازگشت ایک دوسرے مصنف آرتھر کوئیلر کوچ کے یہاں سنائی دیتی ہے:-

"What style in writing is much the something as good manners in other human intercoure."

غرض انگریزی مصنفوں میں بھی ایسے لوگوں کی خاصی تعداد موجود ہے جو اسلوب کو تحریر

کی دلکشی اور زیب و زینت دینے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس کیلئے انتخاب الفاظ تصرفات الفاظ تراش خراش،
ترتیب و تنظیم اور ربط و ہم آہنگی کو انتہائی ضروری سمجھتے ہیں، یعنی انھوں نے اسلوب کے خارجی
اجزا ہی پر قناعت کی ہے، لیکن فنکار جس تخلیقی جذبہ سے دوچار ہوتا ہے اس کی تہہ تک
پہونچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہربرٹ ریڈ کا خیال ہے کہ یہ نہ تو ذریعہ تزئین ہے اور نہ
مشق و مزاولت سے اِسے حاصل کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی ہے، یہ اس
صلاحیت کا نام ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو بہتر پیرایے میں کس طرح پیش کیا جائے،،

دوسرا طبقہ مصنف کی تہہ دار شخصیت کی تہیں کھول کر اس کے تخلیقی جذبہ کے محرکات کا
سراغ لگانے کی سعی کرتا ہے، اس کے نزدیک جسطرح انسانی شخصیت پیچیدہ، تہہ دار،
مرکب در مرکب ہوتی ہے اور اس کو سمجھنا اور سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوتا اسیطرح اسلوب
بھی پیچیدہ اور مرکب در مرکب ہوتا ہے، اسلوب میں انفرادیت، شخصیت کی گونج اس کے
نکھار اور اس کی انانیت سے پیدا ہوتی ہے، گویا اسلوب میں شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اسطرح
دونوں لازم و ملزوم ہیں، یہی سبب ہے کہ ایک ہی موضوع پر جب مختلف فنکار طبع آزمائی
کرتے ہیں تو ان کے پیش کرنے کے طریقہ میں فرق و اختلاف ہوتا ہے، اسلوب کا یہ فرق شخصیت
کے اختلاف کا نتیجہ ہوتا ہے،

اس سلسلے کی نہایت اہم اور جامع تعریف لارڈ بوفان کی تسلیم کی گئی ہے، اس کا
خیال ہے کہ "اسلوب ہی انسان ہے"۔ بظاہر یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت
یہ ہے کہ یہ تعریف ایجاز بلیغ کی عمدہ مثال ہے۔ اسلوب ہی انسان ہے، اس کا مطلب یہ ہے
کہ انسانی شخصیت کے تمام نقوش الفاظ و عبارت کی شکل میں ابھرتے ہیں اور اس سے جو
اسلوب بنتا ہے اس میں مصنف کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے، ایمرسن کہتا ہے کہ "یہ انسان

کے ذہن کی آواز ہے، اور ہڈسن کا خیال ہے کہ یہ شخصیت کا عکس ہوتا ہے" غرض ابلاغ
کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے جسکو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جب ہم کچھ کہتے ہیں تو ہمارا مطمح نظر
یہ ہوتا ہے کہ دوسرے بھی اس کو سنیں، اس سے اثر پذیر ہوں اور ہم اسکا ردعمل دیکھیں،
ایک فنکار جب کچھ کہنا چاہتا ہے تو اس کے مطابق میڈیم اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اس کے
ذریعہ وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے اسکے لئے جہاں خارجی اجزا (مثلاً
انتخاب و تصرفات الفاظ، فقروں کی تراش و خراش اور ان کے درمیان ربط و
ہم آہنگی) پر عالمانہ عبور ضروری ہے وہاں شخصیت میں ندرت، عظمت، نکھار اور
توازن بھی لازمی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کا شمار اردو کے ایسے ہی انشاپردازوں میں ہوتا ہے جو نثر کے
خارجی اجزا پر عالمانہ اور فنکارانہ عبور رکھنے کے ساتھ ایک وقیع تہہ دار، متنوع اور
نکھری ہوئی شخصیت کے بھی حامل تھے، یہی سبب ہے کہ ان کا اسلوب بڑا قابل قدر
بے مثال اور اردو ادب کیلئے مایۂ افتخار ہے، انھوں نے جہاں الفاظ کی نشست و
برخاست اور حسن استعمال، فقروں اور جملوں کی صناعانہ تنظیم و ترتیب اور ان کے
درمیان حسین اور فنکارانہ ربط و ہم آہنگی اور توازن، موضوع کی وضاحت کیلئے
منطقی استدلال کا لحاظ رکھا ہے، وہاں اپنی انفرادیت و انانیت، شخصیت کی گونج
اور اپنے خون جگر کو بھی شامل کیا ہے۔ الفاظ کا استعمال تو سبھی کرتے ہیں لیکن خونِ جگر
کی آمیزش بڑے فنکار ہی کا کام ہے، مولانا شبلی کا فن اس لئے زندہ و پایندہ تابناک
تابدار رہے گا کہ انھوں نے اپنے فن میں خونِ جگر کو بھی شامل کیا ہے اور وہ فن کبھی
مر نہیں سکتا جس میں خونِ جگر کی آمیزش کی گئی ہو۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

عظیم شخصیتیں ہر ملک اور ہر زمانے میں کمیاب ہوتی ہیں، ان میں کچھ تو ایسی ہوتی ہیں کہ زمانہ انھیں ان کی زندگی ہی میں قدر و منزلت عطا کر کے قبول عام کی سند بخشتا ہے اور کچھ کی اہمیت ان کی موت کے بعد تسلیم کیجاتی ہے، غالب کو عمر بھر اپنی ناقدری کا شدید احساس رہا، سر سید احمد خاں کو مرتد اور نیچری کے لقب سے نوازا گیا، لیکن مولانا شبلی ان خوش نصیبوں میں ہیں جنھیں قبول عام اور شہرت دوام کا شرف اپنی زندگی ہی میں حاصل ہو گیا تھا، یہ اردو زبان و ادب کی خوش بختی تھی کہ اردو کو شبلی جیسا خادم ملا جس نے گیسوئے اردو کی شانہ آرائی کر کے اس میں حسن و نکھار پیدا کر دیا، مہدی افادی نے صحیح لکھا ہے،

"غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی اردوئے خاصہ کی داد ملتی جس نے ایک نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں اٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے۔"

(افادات مہدی ص ۱۵۸)

شبلی نعمانی سر سید کے رفقا میں علمی و ادبی نقطۂ نگاہ سے سب سے بلند و بالا شخصیت کے حامل تھے۔ سر سید، حالی، ذکاءاللہ اور نذیر احمد نے نثر اردو میں جو اضافے کئے ہیں وہ بلاشبہ اہم اور قابل ستایش ہیں، لیکن ان میں سے کسی ادیب کی شخصیت ادبی حیثیت سے اتنی وسیع، تہہ دار، بلند قامت اور گٹھی ہوئی نہ تھی جو مولانا شبلی کو قدرت نے ودیعت کی تھی یہی سبب ہے کہ جب انھوں نے تصنیف و تالیف کا آغاز کیا تو نہ صرف مسلمانوں میں بیداری پیدا کی بلکہ نثر اردو کے دامن کو گل ہائے رنگ رنگ سے بھر دیا، انھوں نے جس موضوع کی طرف توجہ کی اس کا حق ادا کر دیا جس چیز کو لیا اسے پایہ تکمیل تک پہونچا دیا —— وہ ایک

دیدہ ور ادیب تھے، ادب میں ادبیت کے قائل تھے لیکن یہ جانتے تھے کہ ایسی ادبیت جو موضوع کا احاطہ نہ کر سکے یا موضوع پر غالب آجائے غیر مناسب ہوتی ہے اسی لئے انھوں نے مولانا محمد حسین آزاد کی رنگینی و رعنائی اور مرصع کاری سے اجتناب کیا، ان کا شعور ایک ناقد کا شعور تھا اس لئے وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ سر سید کی تقلید غیر مفید ہے، ایسی سادگی جو غیر فطری، خشک اور بے کیف ہو، اور ایسی سلاست جو میکانکی معلوم ہو، ادب کے لئے سود مند نہیں ہو سکتی، چنانچہ مولانا شبلی نے خواہ وہ تنقید ہو یا تاریخ، تذکرہ ہو یا سوانح، میانہ روی اختیار کی جس میں نہ تو سر سید کی سادگی کا ریگ زار ہے نہ آزاد کی مینا کاری اور طلسمی دنیا سادگی اور سلاست ہے تو وہ بھی فطری جس پر ہزار آرایش و زیبایش قربان ہیں، اور رنگینی اور جوش بیان ہے تو وہ بھی حقیقی اور موضوع سے مکمل طور پر ہم آہنگ، رعنائی اور مرصع کاری ہے تو وہ بھی حسب حال۔

مولانا میں علمی مذاق قدرت کا عطیہ تھا جس کو ان نامی گرامی اساتذہ نے چمکایا تھا جو اپنے وقت کے مسلّم الثبوت استاد تھے، جن کے ذریعہ ان کے شعور کو تابندگی اور ذہن و فکر کو جودت ملی، اور جب وہ علی گڈھ پہنچے تو وہاں انھیں ایک نئی دنیا نظر آئی، ایک طرف زندگی کی نئی ہوائیں چل رہی تھیں اور دوسری طرف سر سید کا کتب خانہ تھا جو بہترین اور منتخب کتابوں کا مجموعہ تھا، اس سے بڑھ کر شبلی کی علمی تشنگی بجھانے کیلئے اور کیا سامان چاہئے تھا جس نے شبلی کو شبلی بنا دیا۔

مولانا کے ذہن و شعور کی بالیدگی اور شخصیت کے ارتقا کا یہ پس منظر بڑا شاندار اور تابناک ہے، اگر سر سید کی جوہر شناس طبیعت اس گوہر نایاب کو سرتاج نہ بناتی تو اسکی شہرت دوسری نوعیت کی ہوتی، انکی ذہنی نشو و نما میں علیگڈھ کا بھی حصہ رہا ہے۔

سرسید، محسن الملک، وقار الملک، ذکاء اللہ، چراغ علی وغیرہ معاشرہ اور قوم کی تہذیب و اصلاح اور فلاح و ترقی چاہتے تھے اس لئے ان کی کوششیں اسی دائرہ میں محدود تھیں، ادب خصوصاً نثر کی خدمت اور اصلاح ثانوی حیثیت رکھتی تھی، مولانا شبلی نعمانی کا مطمح نظر ان لوگوں سے قدرے مختلف تھا، انھوں نے اپنی قوم کو صرف ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش کھڑا کرنے کے بجائے اُن کے علوم و فنون پر نگاہ ڈالی اسکو مسلمانوں کا سنہری زمانہ یاد دلایا اور اس میں اپنے علوم و فنون اور اپنی تاریخ و تہذیب کو زندہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ زاویہ نگاہ کا یہی وہ اختلاف ہے جس سے انھیں اپنے ہم عصر ادیبوں پر فوقیت حاصل ہے، اور یہی وہ جذبہ ہے جس نے مولانا شبلی کو ایک عظیم، مایہ ناز اور بے مثال ادیب بنا دیا، ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغربی علوم و فنون سے مرعوب نہیں ہوتے، انھیں اسکا فخر ہے کہ ان کے اسلاف دنیا کی مثالی قوم تھے، اور خود ان کے علوم و فنون کا سرمایہ قابل فخر ہے اور ترقی یافتہ قوموں کے ہم دوش ہونے کے لئے ہمیں اپنے اسلاف کی پیروی کرنی چاہیئے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"یورپ نے تمام علوم و فنون کا قالب بدل دیا ہے، فلسفہ نے بالکل نئی صورت پیدا کر لی ہے، منطق میں نئے برگ و بال پیدا ہو گئے ہیں، معانی و بلاغت کا اسلوب بدل گیا ہے، تاریخ ایک قسم کا فلسفہ بن گئی ہے، مذہبی مباحث کے نئے نئے پہلو نکل آئے ہیں .... اسی گذشتہ خیال کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج اگر اسلاف موجود ہوتے تو علوم و فنون جدیدہ کو پیش نظر رکھکر وہی کرتے جو انھوں نے علوم قدیم کے ساتھ کیا تھا، علم کلام کو فلسفہ جدید کے مقابل میں مرتب کرتے، تاریخ اور واقعہ نگاری و مسائل جدیدہ کو تحقیق کی

نگاہ سے دیکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ تمام علوم و فنون دکھا کر فیصلہ کرتے کہ کونسی چیزیں کس حد تک قبول کرنے کے قابل ہیں اور ان کی تحقیقات کو علوم قدیمہ کے ساتھ کیوں کر پیوند کیا جا سکتا ہے .... ان کی روشنی میں ہم اس قدر معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ نئے راستے ہیں کیوں کر قدم اٹھانا چاہیئے اور قدیم و جدید راہیں کہاں پر جا کر مل جائیں گی"۔ (بحوالہ شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں صفحہ ۷)

مولانا شبلی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفوں کو مندرجہ ذیل خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :-

(۱) سیر و سوانح — سیرۃ النبی، سیرۃ النعمان، سوانح مولانا روم

(۲) تذکرہ و تنقید — شعر العجم، موازنہ انیس و دبیر، حیات خسرو

(۳) تاریخ و تحقیق — المامون، الفاروق، جہانگیر اور تزک جہانگیری

(۴) علم الکلام — الغزالی، الکلام، علم الکلام

(۵) مقالات و مکتوبات — مقالات شبلی آٹھ حصوں میں، مکاتیب دو جلدوں میں۔

یہ کوئی حتمی تقسیم نہیں، ان میں سے سوانح کو تاریخ اور تاریخ کو سوانح اور تنقید میں شمار کیا جا سکتا ہے، ممکن ہے اس تقسیم کا مدعا صرف ان کے نثری اسلوب کی نشاندہی ہے،

صاحب طرز ادیب زبان و بیان پر پوری قدرت رکھتا ہے، اس کے پیش نظر یہ حقیقت رہتی ہے کہ اسکا اسلوب موضوع سے پورے طور پہ ہم آہنگ ہو، اسی ہم آہنگی میں اس کی کامیابی کا راز ہے، اس لئے موضوع کے ساتھ ساتھ اسلوب بھی بدلتا رہتا ہے، مولانا شبلی نعمانی ایک صاحب طرز انشاپرداز تھے، اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ انھوں نے اپنا تمام تصنیفوں میں ایک ہی اسلوب اختیار کیا ہے، موضوع کے لحاظ سے انکا اسلوب

بدلتا رہتا ہے مگر ان سب میں انفرادیت کی شان ہوتی ہے، یہی انفرادیت انکو دوسرے ادیبوں سے ممتاز کرتی ہے، مولانا نے مختلف موضوعات کی وضاحت کے لئے مختلف اسالیب اختیار کئے ہیں اور جس موضوع پر لکھا ہے اس کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ جہاں علمی طرز کی ضرورت تھی وہاں علمی طرز اور جہاں سادگی و سلاست اور وضاحت و صراحت کی ضرورت تھی وہاں سادگی و سلاست اختیار کی ہے مگر ان کی سادگی میں بھی پُرکاری ہے

سیرت و سوانح کے عنوان سے جن تصنیفات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے طرز تحریر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جس اسلوب کو اختیار کیا ہے اس سے بہتر اسلوب ممکن نہ تھا، ان کی تنقیدی بصیرت ساتھ چلتی ہے، اس لئے کسی تحریر میں کوئی کمی یا خامی نظر نہیں آتی۔ مثلاً سیرۃ النبی کو لیجئے، اس کے دیباچہ میں انھوں نے سیرت نگاری پر جو سیر حاصل بحث کی ہے اور سیرۃ پر جو مواد فراہم کیا ہے وہ اسکا ثبوت ہے کہ مصنف کو موضوع پر عالمانہ عبور حاصل ہے۔ یہ بحث بڑی عالمانہ اور محققانہ ہے اور سیرت نگاری پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، مصنف کی بصیرت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے اور مقصد تصنیف بھی واضح ہو جاتا ہے۔

"...... اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جاکر تمام ملک میں پھیلائی جائیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے ...... اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا لیکن سب سے زیادہ صحیح سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری

نقوش پیش کئے جائیں، نہ جبر و زور سے کام لیا جائے بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے، جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے۔"

(دیباچہ سیرۃ النبی ص۱)

سیرۃ مولانا کی آخری اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کا اسلوب نہایت پختہ، اثر انگیز، دلنشین اور ایجاز بلیغ کا بہترین نمونہ ہے، ہربرٹ ریڈ کا خیال ہے کہ اچھی اور معیاری نثر اپنی خصوصیات کے سبب شاعری سے قریب ہوتی ہے، یعنی جو اجزا شاعری کو حسین اور عظیم بناتے ہیں وہ نثر کو بھی حسن اور پائیداری عطا کرتے ہیں۔ مولانا شبلی کی نثر میں جہاں الفاظ کا حسن انتخاب، جملوں کی ہم آہنگی، عبارت کی روانی، تشبیہ و استعارے کا فن کارانہ استعمال نظر آتا ہے وہاں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ موضوع کو مصنف نے اس طرح قبول کیا ہے کہ وہ اس کی شخصیت میں تحلیل ہو گئے ہیں اور اس نے اس کو اس طرح احساس، ادراک، تخیل اور جذبہ کی مدد سے پیش کیا ہے کہ اس میں تخلیقی نثر کی شان پیدا ہو گئی ہے

ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"عین اس وقت جبکہ معرکۂ کارزار گرم ہے، تیروں کا مینھ برس رہا ہے، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ اور پاؤں اسطرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جسطرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں، دشمنوں کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہیں، عین اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ دعا آسمان کیطرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے، معرکۂ بدر میں حضرت علی رضی عین شدتِ جنگ میں تین بار خبر لینے

آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا۔...... عین اس وقت جب کہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں، ہات پانوں کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں، موت کی تصویریں ہر طرف نظر آرہی ہیں، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے، دفعتاً نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں۔ سپہ سالار امام نماز ہے، فوجیں صفوف نماز۔ رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں، جوش وخروش، تہور وجاں بازی، غیظ وغضب، اب عجز ونیاز، تضرع و زاری اور خضوع وخشوع بن جاتا ہے۔" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۵۴)

مولانا ایک دیدہ ور نقاد اور الفاظ معانی کی اہمیت، قدر وقیمت سے بخوبی واقف تھے اس کا اظہار انھوں نے کئی جگہ کیا ہے، اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:۔

(۱) الفاظ گراں اور نامانوس نہ ہوں، ثقیل اور بھدے نہ ہوں کہ ان کے تلفظ میں زبان کو دقت محسوس ہو، واضح رہے کہ کوئی لفظ بذاتہ نہ ثقیل ہے نہ کریہہ مگر دوسرے الفاظ کے ساتھ مل کر ثقل وکراہت پیدا کر دیتا ہے، بے جوڑ بے ضرورت اور بے موقع استعمال سے بعض اچھے الفاظ بھی برے ہو جاتے ہیں، اس لئے انشا پرداز کا فرض ہے کہ فحوائے کلام کا ہر وقت لحاظ رکھے اور کسی منظر کو زیادہ طول نہ دے کہ بے جا طوالت سے فحوائے کلام کا خیال اکثر ادیبوں کے دماغ سے جاتا رہتا ہے اور وہ بے جوڑ اور بھرتی کے الفاظ استعمال کر جاتے ہیں، جس سے عبارتیں بے آہنگ ہو جاتی ہیں۔"

(۲) طرز ادا سہل اور سادہ ہو لیکن سپاٹ اور بے رنگ نہ ہو۔"

(۳) روزمرہ اور عام بول چال کا استعمال ہو لیکن وہ زبان عوامی نہ ہو بلکہ مہذب

لوگوں کی ہو۔

(۴) بیان میں سلاست وروانی ہو، اسمار وضمائر کی غیر ضروری تکرار سے عبارت میں کراہت آجاتی ہے۔

(۵) الفاظ ایک سطح کے ہوں، عربی کے ادق الفاظ اور بھاشا کے نرم الفاظ کا ایک ساتھ استعمال تنفر پیدا کر دیتا ہے جو فصاحت کے لئے معیوب ہے۔

(۶) عبارت نہ اتنی مختصر ہو کہ مطلب خبط ہو جائے اور نہ اتنی طویل کہ جی اکتا جائے۔

(۷) عبارتوں کی ترکیب اور ساخت میں ایک توازن قائم رہے۔"

حسن معنی کے لئے وہ مندرجہ ذیل امور کو ضروری قرار دیتے ہیں:۔

(۱) یہ تو معلوم ہے کہ الفاظ ایک قسم کی آواز ہیں اور آواز کی مختلف صورتیں ہیں جن سے مطلوب ماحول پیدا کیا جاتا ہے اس لئے الفاظ کا انتخاب معانی کے اعتبار سے ہونا چاہیئے، رنج وغم کے الفاظ ایسے ہوں جن سے افسردگی اور اضمحلال ٹپکے، مسرت وکامرانی کیلئے ایسے ہی الفاظ ہوں جن سے عشرت وشادمانی کی فضا پیدا ہو سکے، حسن وعشق کے اظہار کے لئے دل کش اور نرم وگداز الفاظ لائے جائیں۔..."

(۲) اگر کلام میں تاکید اور زور پیدا کرنا مقصود ہو تو سیاق وسباق کے اعتبار سے الفاظ بھی اسی طرح کے استعمال کرنے چاہئیں۔ (۳) معنی مقصود نفس الامر کے خلاف نہ ہو۔ (۴) جس سماں کو بیان کیا جائے اس کی پوری تصویر اس لئے ضروری ہے کہ جس سماں کا بیان کرنا مقصود ہے، اس کا پورا نقشہ سامنے ہو اور جو آلۂ اظہار اختیار کیا جائے اس پر پورا دسترس۔ (۵) معنی کی ادائگی میں مراتب کا احساس ملحوظ رہے۔

(۶) معنی کے لئے انتخاب الفاظ کا صحیح ذوق موجود ہو، الفاظ ایسے ہوں جو زیادہ سے زیادہ

عرصہ تک زمانہ کا ساتھ دے سکیں۔

اس روشنی میں مولانا کی انشا کو دیکھئے تو اس معیار پر ان کی عبارتیں پوری اترتی ہیں
اب اس حیثیت سے پیش کردہ اقتباس کا جائزہ لیجئے، مذکورہ بالا عبارت میں مولانا کا
حبِ نبی شدت کے ساتھ موجود ہے، جذبات کا ایک سیل ہے جو الفاظ کی صورت میں امڈا
چلا آتا ہے، تصویریت (Personification) اور مرقع نگاری پورے آب و تاب کیساتھ
تاباں ہے۔ محاکات کی اہمیت نثر میں بھی بشرطیکہ حسب موقع ہو، مولانا کی تصویریں حقیقی
فطری اور زندہ و پایندہ ہیں، معرکۂ جنگ کی منظرکشی کے لئے جو الفاظ انھوں نے استعمال
کئے ہیں وہ نہایت موزوں، برمحل اور بالکل مناسب ہیں۔ اس اقتباس کے ہر فقرے سے
تصویر تیر ابھرتی ہے: "معرکۂ کارزار گرم ہے، تیروں کا مینھ برس رہا ہے، تمام میدان لالہ زار
بن گیا ہے، ہات اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جسطرح موسم خزاں میں پتے
جھڑتے ہیں۔" یہ فقرے اس حسن کاری کیساتھ ترتیب دئے گئے ہیں کہ ہر فقرہ اپنی مکمل اور
آزاد حیثیت رکھتے ہوئے بھی زنجیر کی کڑی کی طرح ایک دوسرے سے مربوط اور پیوستہ
ہے، تشبیہ و استعارے اگر نادر، اچھوتے اور شگفتہ ہوں تو شاعری اور نثر دونوں کی
دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں، اس اقتباس میں نہایت عمدہ اور شگفتہ تشبیہوں اور استعاروں
کا استعمال ہوا ہے، "تیروں کا مینھ برس رہا ہے" "ہات اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ
گر رہے ہیں جسطرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں" دشمنوں کی فوجیں سیلاب کی طرح
بڑھتی آرہی ہیں۔ دفعتہ فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے" تشبیہوں کا حسین
استعمال۔ ایجاز اور اختصار بلیغ کا یہ نمونہ ملاحظہ ہو، ہر لفظ ایک کیفیت اور ایک سماں
پیدا کر رہا ہے: "سپہ سالار امام نماز ہے، فوجیں صفوف نماز ہیں، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی

صدائیں بلند ہیں، جوش و خروش تہور و جانبازی، غیظ و غضب، عجز و نیاز تضرع و
زاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے" جوش و خروش کے عجز و نیاز کی صورت اختیار کرلینے،
"تہور و جانبازی کے "تضرع و زاری" میں تبدیل ہو جانے اور غیظ و غضب "خشوع و
خضوع" بن جانے کی کیفیت کو شبلی جیسا عظیم اور جینئیس (Genius) نثر نگار ہی پیدا کر
سکتا ہے، یہی بات سیرۃ النعمان اور دوسری تصنیفوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔

شعر العجم، کی نثر اپنی دل آویزی کے لحاظ سے لاجواب ہے، اس کتاب کو فارسی شاعری
کی تاریخ اور فارسی شعرا کا تذکرہ بھی کہہ سکتے ہیں تاریخ اور تذکرہ سے قطع نظر تحقیق و تنقید
کے نقطۂ نگاہ سے بھی یہ کتاب بڑی اہم ہے۔ اس میں مولانا نے شاعری، تخیل، محاکات، تصرفات
الفاظ، ادراک، احساس، فصاحت و بلاغت وغیرہ کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ کئی حیثیتوں
سے اہم ہے، شعر العجم سے قبل مولانا محمد حسین آزاد اپنی زعفران زار نثر میں آب حیات
لکھ چکے تھے اور مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری بھی لکھا جا چکا تھا، یہ دونوں کتابیں
نثری اسلوب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن تنقیدی نقطۂ نگاہ سے انہیں
تھوڑی سی یکسانیت بھی ہے اور فرق بھی، آزاد نے جستہ جستہ تنقیدی خیالات پیش کئے ہیں
اور مولانا حالی نے مختلف عنوانوں کے تحت شاعری کے اجزا پر سیر حاصل بحث کی ہے،
شبلی نے شعر العجم میں ان مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انگریزی مصنفوں اور شاعروں
کے خیالات سے استفادہ کیا ہے اور خود بھی ایک متوازن رائے پیش کی، شاعری کی
تعریف، اس کی اہمیت و ماہیت کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس سے جن لوگوں کو
اختلاف ہے وہ بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

تحقیق تنقید اور تاریخ تینوں لازم ملزوم ہیں، تحقیق تنقیدی شعور کے بغیر ناقص

رہتی ہے، ایسا محقق جسمیں تنقیدی شعور نہو سطحی ادب اور اعلیٰ ادب میں تفریق و امتیاز نہیں کر سکتا، اسی طرح تاریخ بغیر تحقیق کے دفتر کذب و افترا سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اور ادب سے ان سب کا رشتہ ہے، اگر وہ ادبی تقاضے پورے نہیں کرتیں تو ادبی نقطہ نگاہ سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مولانا شبلی اس راز سے پوری طرح باخبر تھے اس لئے شعر العجم میں انھوں نے تاریخ، تنقید اور تحقیق کی سرحدوں کو ملا دیا اور اس صناعانہ چابک دستی سے کہ موضوع کا حق بھی ادا ہو گیا، اور ادب و فن کے تقاضے بھی پورے ہو گئے، شجاعت علی سندیلوی لکھتے ہیں:-

"اپنے معاصرین میں شبلی کا مرتبہ ادب میں نہایت بلند ہے، یہ بلندی اور بڑائی اس وجہ سے نہیں ہے کہ انھوں نے بہت بڑا ذخیرۂ ادب چھوڑا نہ اس وجہ سے کہ وہ ہر فن پر عبور رکھتے تھے، بلکہ اسلئے ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا اس انداز سے لکھا کہ شگفتگی و حقیقت، دلچسپی اور افادیت قائم رہی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور پیچیدہ سے پیچیدہ علمی و فلسفیانہ مسائل کو سلیس و بلیغ انداز میں بیان کر دینا علامہ شبلی کی انشاء پردازی کی خاص خصوصیت ہے۔"

"شعر العجم" کے ایک اقتباس سے یہ واضح ہو جائیگا کہ یہ طرز تحریر کتنی سائنٹفک اور سیرۃ النبی کے اسلوب سے کس قدر مختلف ہے:-

"اصلی شاعری وہی ہے جس کو سامعین سے کچھ غرض نہ ہو، لیکن جو لوگ بے تکلف شاعر بنتے ہیں ان کا بھی فرض ہے کہ ان کے انداز کلام سے یہ مطلق نہ پایا جائے کہ وہ سامعین کو مخاطب کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ایکٹر کو خوب معلوم ہے کہ بہت سے حاضرین اس کے سامنے موجود ہیں لیکن اگر ایکٹ کی حالت میں، وہ اس علم

کا اظہار کر دے تو سارا پارٹ غارت ہو جائے گا، شاعر اگر اپنے نفس کے بجائے دوسروں سے خطاب کرتا ہے دوسروں کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے، جو کچھ کہتا ہے اپنے لئے نہیں، بلکہ دوسروں کیلئے کہتا ہے تو شاعر نہیں بلکہ خطیب ہے، اس سے یہ واضح ہو گا کہ شاعری تنہا نشینی اور مطالعۂ نفس کا نتیجہ ہے، بخلاف اس کے خطابت، لوگوں سے ملنے جلنے اور راہ و رسم رکھنے کا ثمرہ ہے، اگر ایک شخص کے اندرونی احساسات تیز اور مشتعل ہیں تو وہ شاعر ہو سکتا ہے!"

(شعر العجم ص۲ جلد چہارم)

اس اقتباس میں مولانا نے شاعری اور خطابت کے فرق کی وضاحت کی ہے اور اپنے تنقیدی خیالات کو پیش کرنے کے لئے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ منطقی تجزیاتی اور توضیحی اسلوب ہے، تجزیاتی اسلوب میں دلائل و براہین اور منطقی استدلال ناگزیر ہے جو پیش نظر نکات و حقائق کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں پر نگاہ ڈالتے اور منطقی استدلال کے ذریعہ پیش کرتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ محسوس کیا ہے اسے پرتاثیر انداز میں پیش کر دیا ہے، اسلوب کا یہی وہ مقام ہے جہاں خارجی اور داخلی اجزا کلی طور پر ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، اسی بنا پر اسلوب کا مسئلہ ذوقی بھی ہے اور وجدانی بھی، موضوع اور الفاظ میں مصنف کے جذبات و احساسات جو رنگ بھرتے ہیں وہ اسلوب کی صورت میں رونما ہوتا ہے، چونکہ فنکار کو زبان و الفاظ پر عبور حاصل ہے اور اس کی شخصیت بھی وقیع اور رچی ہوئی ہے اس لئے اسلوب بھی جاندار اور وقیع ہے، ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں "ان کے اسلوب کی اوّلین صفت اس کی وہ قوت اور جوش ہے جو ان کے احساس کمال اور احساس عظمت کی پیداوار ہے، یہ احساس جب کسی مقصد عظیم کیساتھ مل جاتا ہے

تو مصنف کے اظہارات میں غیر معمولی جوش اور قوت پیدا کر دیتا ہے۔...... شبلی کی نثر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فکری قوت اور منطقی توانائی کے ساتھ ساتھ لطف اور اثر بھی پایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فکر کے خاکوں میں تخیل کا رنگ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا تخیل دراصل اسی رجحان نظری کے زیر اثر مبالغہ و اغراق کی وہ صورتیں اور تصویریں تلاش کرتا ہے جو خود مصنف کی پُرجوش ہیجان پسند طبیعت کی پیداوار ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین و سامعین کے لئے بھی جوش انگیزی اور ہیجان خیزی کا سامان بہم پہنچاتی تھیں"

(بہترین مقالات مرتبہ اختر جعفری ص ۵۵۹)

مولانا کی تاریخ و تحقیق کی کتابوں کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ادبی تقاضے بھی پورا کرتی ہیں، اور مصنف کی شخصیت کی ترجمان بھی ہیں، الفاروق ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر خود مصنف کو ناز تھا اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی "اب ان کو علمی تشنگی بجھانے کے لئے کنوؤں اور نہروں کا پانی نہیں سمندر درکار تھا، الفاروق جسکے لکھنے کیلئے وہ بیتاب تھے اس کے لئے ہندوستان کے کتب خانے کافی نہ تھے، اس کے لئے مصر و شام اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں کو کھنگالنے کی حاجت تھی، انھوں نے ان کتب خانوں سے استفادہ کرکے اردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ کیا، الفاروق تاریخ اور سوانح کا ایک سنگم ہے جس میں تاریخی اور سوانحی اجزا ء خوبصورتی سے سموئے گئے ہیں۔" (حیات شبلی ص ۱۹۱)

مولانا کی تاریخی تصانیف کے طرز سے واضح ہے کہ تاریخ نویسی میں بھی اُن کا انداز نہایت دلچسپ و دلنشیں ہے، تاریخ کی داغ بیل مولانا محمد حسین آزاد نے ڈالی اور اس کو اسقدر دلچسپ بنا دیا کہ تاریخ پر افسانہ کا گمان ہونے لگا، یہ تاریخ نگاری کی معراج تھی، مولوی ذکاء اللہ کے پیش نظر تاریخی وقائع کی اہمیت تھی اسلئے انھوں نے

اسے پوری دیانت کے ساتھ پیش کر دیا، لیکن یہ پیش کش اسقدر میکانکی تھی کہ پڑھنے والوں کیلئے اس میں کوئی کشش نہ تھی، یہ تاریخی دیانت ان کی شہرت میں رکاوٹ بن گئی، مولانا شبلی ادیب پہلے ہیں مورخ بعد میں۔ وہ جانتے تھے کہ تاریخی واقعات کو یکجا کر دینے سے تاریخ نویسی کا حق ادا نہیں ہو سکتا اس لئے انھوں نے تاریخ کی خشکی کو ادب کی چاشنی سے پُرلطف بنا دیا، تاریخ میں واقعات کی کڑیاں اسطرح ملی ہوئی ہیں کہ منطقی ربط ہر جگہ قائم رہتا ہے، مضمون کی خشکی دور کرنے کیلئے جا بجا دلچسپ تشبیہوں اور استعاروں سے بھی کام لیا ہے۔ الفاروق کے دیباچہ میں انھوں نے طرز تحریر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کیلئے انھوں نے بہترین اسلوب اختیار کیا ہے، اسی اسلوب کے متعلق سرسید فرماتے ہیں،

"اردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کیلئے زبان و طرز بیان جداگانہ ہے، تاریخ کی کتابوں میں ناول اور ناول میں تاریخانہ طرز، گو کیسی ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کرتا ہے ہمارے لائق مصنف (شبلی) نے اسکا بہت کچھ خیال رکھا ہے اور باوجود تاریخی مضمون ہونے کے کیسی خوبی سے اسکو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بدستور اپنی اصل حالت پر موجود ہے، جو خوبصورت ہے خوبصورت ہے جو بھونڈی ہے بھونڈی ہے، نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے کو زیادہ بھونڈا، اور دراصل یہی کمال تاریخ نویسی کا ہے۔"

غرض مولانا کی نثر اس قدر سلجھی اور منجھی ہوئی ہے کہ ہر قسم کے خیالات بآسانی ادا کئے جا سکتے ہیں حتی کہ الکلام اور علم الکلام جیسے خشک موضوع کیلئے بھی اسقدر واضح اور رواں پیرایہ بیان اختیار کیا ہے، کہ اسلوب کی دلکشی اور جاذبیت میں فرق نہیں آنے پاتا۔

غالب کا مذہبی رُجحان

ان کے کلام کی روشنی میں

از

ڈاکٹر ام ہانی ریڈر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۳)

ان بزرگ پایہ شاعروں کا یہ حال دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن کا مزاج ہی شاعری کے مزاج سے اتنا مختلف ہے کہ شاعر "زیبِ داستان" پر مجبور ہو جاتا ہے، لیکن غالب نے (معدودہ چند اشعار کے سوا) بیشمار اشعار کے ذریعے اس وہم کا ازالہ کر دیا ہے لہذا اب یہ دیکھا جائے کہ ان کے اشعار کی تلمیحات متنِ قرآنی سے کتنی قریب ہیں، اگرچہ یہ مختصر مضمون کلامِ غالب کے تمام اشعار پر حاوی نہیں ہے، مگر ان کے رجحان اور قدرتِ اظہار کی نشاندہی ضرور کرے گا۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ عام طور سے شاعری کا موضوع کار رہا ہے، چنانچہ بوئے پیرہن کے حضرت یعقوبؑ تک پہنچنے کے متعلق قرآن کہتا ہے،

ولمّا فصلت العیر قال ابوھم — جب قافلہ چلا ہی تھا کہ ان کے باپ حضرت یعقوبؑ نے
انّی لاجد ریح یوسف لو لا ان — کہا اگر تم مجھکو بہکی باتیں کہنے والا نہ سمجھو تو میں کہوں
تفندون ہ قالوا تاللہ انک لفی — کہ مجھکو یوسفؑ کی مہک آرہی ہے، ان لوگوں نے
ضلالک القدیم ہ (سورہ یوسف) — کہا کہ آپ اپنے پرانے خیال میں مبتلا ہیں،

غالب: ہر کسی را شامی در خور است — بوئے پیراہن بکنعان می رود

یعنی کنعان میں خوشبو جاتی ہے، تو صرف حضرت یعقوبؑ ہی اس سے محفوظ ہوتے ہیں، اس کے بعد پیراہن ان کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو وہ روشن ہو گئیں جیسی کہ حضرت یوسفؑ کی پیشین گوئی تھی،

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علیٰ — میرا یہ کرتا لیتے جاؤ اور میرے والد کے چہرہ
وجہ ابی یأت بصیرا (یوسف-۱۱) — پر ڈال دو ان کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئیگی
فلمّا ان جاء البشیر القٰہ علیٰ وجھہ — جب خوشخبری دینے والا آیا تو اُن کے چہرہ پر کرتا ڈال دیا
فارتد بصیراہ (یوسف-۱۱) — پس فوراً ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

غالب: بتوان گفت ہان اے تن پرست — پیر کنعان بود پیراہن پرست

جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو اپنے فریب میں پھانسنا چاہا تو انھوں نے کہا

قال معاذ اللہ انہ ربی احسن — کہا خدا کی پناہ (یہ بڑا گناہ ہے) پھر میرے
مثوای (یوسف-) — آقا نے کیسی اچھی طرح رکھا ہے

اس کے بعد جب عزیز مصر کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو اس نے زلیخا ہی کی ترغیب سے حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا اور وہ زلیخا کی قید سے آزاد ہو گئے۔

غالب: بندہ اے رائد بفرمان خداداہ ددد — نگزارند کہ در بند زلیخا مانند

زلیخا کی لغو خواہش پر جب مصر کی عورتوں نے نکتہ چینی کی تو اس نے مصر کی عورتوں کو بلا کر ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دی اور حضرت یوسفؑ کو وہاں بلا لیا عورتوں نے عالمِ محویت میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے اس سے حضرت یوسفؑ کی شہرت دوبالا ہو گئی۔

فلمّا رأینہ اکبرنہ وقطعن — عورتوں نے جب ان کو دیکھا تو ان کے حسن سے

ایدیھن وقلن حاش للّٰہ ماھذا بشراً ان ھذا الاملک کریم (یوسف ۔)

حیران رہ گئیں، اور بدحواسی میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں ماشاء اللہ یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے،

غالب: قرآید بغوغاے یوسف دو بہر — ترنج دکف خردہ گیرانِ شہر

(ترنج کا ذکر متنِ قرآنی سے خارج ہے۔)

پھر جب وہ جیل میں پہنچ گئے تب بھی خدا کی محبت ان کے دل میں باقی رہی۔

ان الحکم الا للّٰہ، امر الا تعبدوا الا ایاہ۔ (یوسف)

حکم خدا ہی کا ہے اس نے یہ حکم دیا ہے بجز اس کے دوسرے کسی کی عبادت نہ کرو۔

غالب: ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے — دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

حضرت یوسف ڈول میں بیٹھ کر کنوئیں سے نکلے تھے۔

وجاءت سیارۃ فارسلوا واردھم فادلی دلوہ، قال یا بشری ھذا غلام

اور ایک قافلہ آنکلا اور انھوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا اور کہا ارے یہ بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو اچھا لڑکا نکل آیا۔

غالب: نشگفت کہ یوسف بمیان داشتہ باشد — دلو من از ین چاہ گرانبار بر آید

حضرت یعقوب کی آنکھیں حضرت یوسف کی جدائی سے روتے روتے سفید ہوگئی تھیں

وقال یا اسفیٰ علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن (یوسف)

اور کہا ہائے افسوس یوسف پر، اور حالت یہ تھی کہ ان کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئی تھیں۔

اسی سفیدی کا غالب نے حوالہ دیا ہے،

غالب: نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

غالب: قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر — لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

حضرت موسیٰ کے بارے میں

ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک، قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا (اعراف)

جب موسیٰ ہمارے وقت موعود پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھکو دکھا دیجیے، میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھکو ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہے تو تم بھی مجھکو دیکھ سکتے ہو پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیے اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اس مضمون کو غالب نے طرح طرح سے باندھا ہے لیکن سب کی تصدیق متنِ قرآنی سے ہو جاتی ہے،

غالب: تجلی کرز موسیٰ ربود ہوشش بطور — بشکلِ کاسب علی خان دگر نمود ظہور

ایضاً: رفت آنکہ باز حسن مدارا طلب کنیم — سررشتہ در کفِ ارنی گوے طور بود

ایضاً: لن ترانی بجواب ارنی چون وچرا — من نہ اینم بشناس و تو آنی بشنو

نکتہ ای داریم و با یاراں نمیگوئیم فاش — طالب دیدار باید تابِ دیدار آورد

ہے کیا ضرور سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

بدور تو شد لن ترانی کہن
فصاحت مگر سنجد سخن

تراخواستگار است یزدان پاک
ہر آئینہ از لن ترانی چہ باک

فلما اتٰہا نودی من شاطی الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یا موسیٰ انی انا اللہ رب العالمین۔ (قصص ۳۰)

پھر جب موسیٰؑ آگ کے پاس پہنچے تو مبارک جگہ میں میدان کے داہنے کنارے پر درخت سے ان کو آواز آئی کہ موسیٰؑ! ہم اللہ ہیں سارے جہان کے پروردگار۔

ہم انا اللہ خوان درختی را بگلزار آورد
ہم انا الحق گوے مردی را بسر دار آورد

وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیات الی فرعون وقومہ (نمل)

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں رکھ تو وہ بے رنگ سفید نکلے گا (یہ ان) نو معجزوں میں سے ہے جن کے ساتھ تم کو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجتا ہے۔

نسیمش چو سادم عیسیٰ روان بخش
صباحش چون کف موسیٰ منور

ہم عیسیٰ و سامان نوائش نفس گرم
ہاں موسیٰ و برہان کمالش ید بیضا

از حرف من اندیشہ گلستان خلیل است
از روی کف در دست کلیم است

واذکر فی الکتاب موسیٰ انہ کان مخلصا وکان رسولا نبیا ونادینہ من جانب الطور الایمن وقربنہ نجیا ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ہارون نبیا (مریم)

اور کتاب میں موسیٰ کا مذکور بیان کرو بے شک وہ ہمارے خاص بندے اور پیغمبر صاحب شریعت تھے اور ہم نے ان کو طور کی داہنی طرف سے آواز دی اور راز کہنے کے لیے ہم نے انکو قریب بلایا اور اپنی مہربانی سے ان کے بھائی ہارون کو پیغمبر بنا کر عطا کیا۔

واذ فرقنا بکم البحر فانجینٰکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون (بقرہ ۵)

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تم کو نجات دی اور فرعون کے لوگوں کو تمہارے دیکھتے ڈبو دیا،

باتو ام خرمی خاطر موسیٰ بر طور
بغنودم خستگی لشکر فرعون بنیل

تجھ سے دنیا پہ کھلا رابطۂ قرب کلیم
تجھ سے عالم میں بچھا مائدۂ بزم خلیل

واحلل عقدۃ من لسانی (طٰہٰ)

اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔

خون ز غم در دلِ کلیم فسرد
لاجرم عقدہ بر زبان افتاد

وما تلک بیمینک یموسیٰ قال ھی عصای اتوکا علیھا (طٰہٰ)

اور موسیٰؑ تمہارے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے کہا یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں،

نفی حق است قبول سخن وشادی فتح
بقلم نازم اگر تکیۂ موسیٰ بعصا ست

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں

وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ (آل عمران)

اور میں اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا اور مردوں کو زندہ کر دوں گا اللہ کے حکم سے۔

غالب ز ملت پردہ کشای دم عیسیٰ ست
چون بر روش طرز خداداد بجنبد

فضاے آگرہ جولانگہ مسیح دمی ست
ز من بہمنفسان وطن مبارکباد

از بست فیض دم عیسیٰ اگر جویم رواست
زانکہ رشحۂ خامہ ات را آب حیوان دیدہ ام

در خیال صدمۂ جاندادگان ضربتش
میبہد از دیدۂ عیسیٰ چراغ آفتاب

تا بود یاری بخت بلند
چارۂ عیسیٰ نفتد سودہ

نسیمش چون دم عیسی روان بخش
صباحیش چوں کفِ موسی منور

ہے عیسی دساماں نوائش نفسِ گرم
ہاں موسی وید ہاں کمالش ید بیضا

نظم را موجۂ حیوان فہمند
نثر را نسخۂ اعجاز مسیحا بینید

تم یک رشحۂ فیض است کہ تاریخت فرد
در دلش راہ شد و بر لب عیسی اعجاز

لب تو زندہ کن معجز مسیحائی
رخِ تو جلدہ دہ شوکتِ سلیمانی

براہیم خوے، سلیمان فری
مسیحا دمی، مصطفی گوہری

لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ایک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

ابن مریم ہوا کرے کوئی
مرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ویکلم الناس فی المھد وکھلا
اور گہوارہ میں اور بڑی عمر کا ہو کر لوگوں

وکان من الصالحین۔
کے ساتھ کلام کریگا۔ اور وہ نیک بندوں

(آل عمران)
میں سے ہوگا۔

ایدتک بروح القدس تکلم
ہم نے روح القدس سے تمہاری مدد کی،

الناس فی المھد وکھلا
تم گہوارے میں اور بڑے ہو کر لوگوں سے

(مائدہ)
گفتگو کرتے تھے۔

فاشارت الیہ قالوا کیف نکلم
تو (مریمؑ) نے ان (عیسیٰ) کی طرف اشارہ کیا

من کان فی المھد صبیاً (مریم)
(لوگ) لگے کہنے ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟

نشاہ معجزہ آمدم طلب کہ دہ جنبش
بگاہوارہ سخن گو کند مسیحا را

وما قتلوہ
اور نہ تو انھوں نے ان کو قتل کیا اور

وما صلبوہ ولکن شبہ لھم
نہ ان کو سولی پر چڑھایا، مگر ان کو ایسا ہی

۔ ۔ ۔ بل رفعہ اللہ الیہ و
معلوم ہوا ۔ ۔ ۔ بلکہ ان کو اللہ نے اپنی

کان اللہ عزیزاً حکیما (النساء)
طرف اٹھا لیا۔

حضرت ادریس کے بارے

ورفعنہ مکاناً علیا
اور ہم نے انکو اٹھا کر بڑی اونچی جگہ میں داخل کیا

دل مایوس را تسکیں ہم بدن میتوان دادن
چہ امید است آخر خضر و ادریس و مسیحا را

حضرت نوحؑ کے بارے میں۔

فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاماً (عنکبوت)
تو وہ پچاس برس کم ہزار برس ان میں رہا

از عمر نوح عرض برد انتظار تو
در عرض شوق تاب نیاوردی انگ را

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں۔

قلنا یانار کونی برداً وسلاماً
(انبیاء) ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیمؑ کے

علی ابراھیم (انبیاء-۱۱)
حق ٹھنڈک اور سلامتی بن۔

شنیدہ ای کہ بآتش نسوخت ابراہیم
ببین کہ بی شرر و شعلہ میتوانم سوخت

رنگین چمنے ز شعلہ آرائی
براہیمی ز آزر آورد

واذ قال ابراھیم
اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور

لابیہ وقومہ اننی براء مما
اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن بتوں کی تم

تعبدون (زخرف-۳)
پرستش کرتے ہو مجھکو تو ان سے کچھ سروکار نہیں،

ہان مبادا کہ پدر فرزند آزر را نگر
ہر کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکرد

یہاں "صاحب نظر" میں انتہائی بلاغت ہے، اس لیے کہ ان کی بصیرت ہی شروع ہوتی تھی

ستارے، چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ ان کی پرستش سے بیزار ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے بارے میں:۔

۱۰۲۔ یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تؤمر (صافات)

بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمکو ذبح کر رہا ہوں، پس تم سوچو کہ تمھاری کیا رائے ہے، کہا ابا جان! آپکو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔

غالب: فرزند زیر تیغ پدر می نہد گلو
گر خود پدر در آتش نمرود می رود

ولہ زخونیکہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد وام زبان خلیل

۲۵۸-۲۔ الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک (بقرہ)

کیا تم نے اس شخص پر نظر نہیں کی جو صرف اس وجہ سے کہ خدا نے اسکو سلطنت دے رکھی تھی ابراہیم سے ان کے پروردگار کے بارہ میں حجت کرنے لگا۔

غالب: نہ مراد دولت دنیا نہ مرا اجر جمیل
نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل

حضرت خضرؑ کے بارے میں:۔

(اگرچہ قرآن میں کہیں انکی شخصیت کو اس نام سے متعارف نہیں کرایا گیا ہے لیکن باتفاق جمہور یہ وہی شخص ہیں جنھوں نے حضرت موسیٰؑ کی رہنمائی کی تھی اور سورہ کہف میں اسکا بالتفصیل ذکر آیا ہے)

۶۶۔ قال لہ موسیٰ ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا

موسیٰ نے اس سے کہا کہ کیا میں آپکے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو علم آپکو سکھایا گیا ہے

۷۱۔ فانطلقا (کہف)

پھر دونوں چلے۔

غالب: بہیابانجی گری خامہ شدم روی شناس
در رہت خامۂ خضر بیابان مست

حضرت ایوبؑ کے بارے میں:۔

۴۴۔ انا وجدناہ (ص)

بیشک ہم نے ایوبؑ کو بڑا صابر پایا۔

غالب: بصبر کم نیم اما عیار ایوبی
بقدر آنکہ گر فتند کامل افتاد است

تضمین قرآنی اشخاص کے علاوہ احکام و عقائد کا بھی حوالہ دیا ہے اور آیات کی بھی متعدد جگہ پائی جاتی ہے۔

۵۱۔ وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر و یقولون انہ لمجنون (قلم)

اور اے پیغمبر کافر جب قرآن سنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمکو گھور گھور کر خدا کے رستے سے پھسلا دینگے اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک دیوانہ ہے۔

غالب: آں لابہ ہای حمزہ فراز انجمن نماند
بر خوان خود یکاد کہ مار اسپند نیست

۱۳۔ ینبأ الانسان یومئذ بما قدم واخر (قیامہ)

اس دن انسان کو بتا دیا جائیگا کہ کیسے اعمال اس نے آگے کئے ہیں اور کیسے پیچھے چھوڑے ہیں۔

غالب آنروز کہ پرسش رود از ہر چہ گذشت
کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند

" ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

۸۷۔ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون (یوسف)

بیشک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔

۳۸۔ ان اللہ لا یحب کل خوان کفور (حج)

بیشک اللہ کسی دغاباز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا

غالب ناامیدی از تو کفر و تو راضی نہ ای بکفر   نومیدیم دگر بتو امیدوار کرد

۳۵ ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ   ہم تمکو بری اور بھلی حالتوں میں آزماتے ہیں

والینا ترجعون ۵ (انبیاء) اور تمکو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

غالب از آنکہ خیر و شر جز بقضا نبودہ است   کار جہان زہد ولی بیخبرانہ کردہ ایم

۷۲ وتلک الجنۃ التی اورثتموھا   اور یہ جنت کی میراث جو تم کو ملی ہے تو ان

بما کنتم تعملون (زخرف)   اعمال کے عوض میں جو تم کرتے رہے ہو۔

غالب میراث جم کہ بود اینکہ بمن سپار   زین بس رسد بہشت کہ میراث آدم است

ان الشیطان للانسان عدو مبین (یوسف) اس میں شک نہیں کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔

غالب شیطان عدو ست لیک ازاں نامہ رقم   بخشد خدا اماں ز تہیب عدو مرا

۵۴ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم   تو اپنے خالق کی جناب میں توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کرو۔

(بقرہ)

۵۳ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (زمر) تم لوگ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ رہو۔

غالب ہر جا کہ گشت ترجمۂ اقتلوا رقم   گردید نوک خامہ بہ تیزی دم حسام

ہر جا کہ رفتہ معنی لا تقنطوا بکار   پیچیدہ بوی سنبل فردوس در مشام

۳۵ اللہ نور السموٰت والارض (نور) اللہ ہی کے نور سے آسمان و زمین کی روشنی ہے۔

نور محض و اصل ہستی ذات اوست   ہر چہ جز حق بینی از آیات اوست

ولہ برادر دبی کلفت سمت و سوی   بنور السموٰت والارض روی

۱۹ کان سعیہم مشکورا (اسراء) جنکی محنت مقبول ہو گی۔

غالب سعی یا مشکور و نقد مارد وا   چیست آں کار ز اشماری انار دوا

۸۵ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اسراء) اور تم لوگوں کو بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

غالب قدرت حق بیش ازیں ہم بودہ است   ہر چہ اندیشی کم از کم بودہ است

۱۱ لیس کمثلہ شیئ (شوری) کوئی چیز اس جیسی نہیں۔

غالب صانع عالم چنیں کرد اختیار   کش بعالم مثل نبود زینہار

ولہ این نہ عجز است اختیار است ای فقیہ   خواجہ بی ہمتا بود لا ریب فیہ

۲۰۱ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی   اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی خیر و

الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار   برکت دے اور آخرت میں بھی خیر و برکت

(بقرہ)   دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

غالب دھوپ کی تابش آگ کی گرمی   وقنا ربنا عذاب النار

۲۷ ویبقی وجہ ربک ذو الجلال   اور صرف تمہارے پروردگار کی ذات

والاکرام (رحمن)   باقی رہجائیگی جو عظمت والی اور بزرگ ہے۔

غالب قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ   مظہر ذو الجلال والاکرام

بعض بعض مقامات پر تو یہ گمان ہوتا ہے کہ قرآنی فقروں کو بالفاظ مبدل نظم میں پیش کر دیا گیا ہے۔

۲۶ قل اللہم مالک الملک (آل عمران) تو کہہ اے خدا ملک کے مالک

علم الانسان ما لم یعلم   اس نے انسان کو وہ باتیں

(علق)   سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

۵۔ هو الذی جعل الشمس ضیاء (یونس) — وہی ہے جس نے آسمان کو چمکتا ہوا بنایا

۵۔ وسخر الشمس والقمر — اور اسی نے سورج اور چاند کو مطیع کر

کل یجری لاجل مسمیٰ (زمر) — رکھا ہے سب وقت مقرر تک چلے جائینگے

غالب جہان داور دانش آموزگار — بحور روشنائی دہ روزگار

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب — جس دن کہ ہم آسمان کو اسطرح لپیٹیں گے

کما بدأنا اول خلق نعیدہ — جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ لیا جاتا ہے

(انبیاء) — جسطرح ہمنے اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح

انکو دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔

ولقد زینا السماء الدنیا — اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے

بمصابیح (ملک) — اسجا رکھا ہے۔

غالب کشایندۂ گوہر آگین پرند — ز بر دین بہ پنہای آن نقشبند

۱۲ ولقد خلقنا الانسان من سلالة — اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا

من طین ثم جعلنه من نطفة — پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ میں

فی قرار مکین (مومنون) — نطفہ بنا کر رکھا۔

غالب نگارندۂ پیکر آب و گل — شمارندۂ گوہر جان و دل

والشمس تجری لمستقر لها — اور آفتاب اپنے ایک ٹھکانے کیطرف کو

ذالک تقدیر العزیز العلیم — چلا جارہا ہے یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا

والقمر قدرنه منازل حتیٰ — جو زبردست اور آگاہ ہے اور چاند کیلئے

عاد کالعرجون القدیم — ہمنے منزلیں ٹھیرادیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی

پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے۔

(یٰسین)

غالب بگردش در آرندۂ نو سپہر — بگردون بر آرندۂ ماہ و مہر

ثم سواه ونفخ فیه من روحه — پھر اسکو درست کیا اور اس میں اپنی روح

پھونکی۔

(سجدہ)

۵ علمه البیان (رحمٰن) — اس کو بولنا سکھایا۔

زبان را بدانست سرمایہ ساز — زبان را بگفتار پیرایہ ساز

۲۶ وتؤتی الملک من تشاء (آل عمران) — تو جس کو چاہے سلطنت دے۔

بشاہی نشانندۂ خسروان — ز رہزن رہانندۂ رہروان

۶۴ قل الله ینجیکم منها ومن کل کرب (انعام) — تم کہو کہ ان سے اور ہر طرح کی سختی سے

خدا ہی تم کو نجات دیتا ہے۔

(انعام)

غالب بجگر راز خونابہ آشام دہ — نفس را ز بیتابی آرام دہ

واذا سألک عبادی عنی فانی قریب — اور جب ہمارے بندے تم سے ہمارے

اجیب دعوة الداع اذا دعان (بقرہ) — بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہدو

(بقرہ) — کہ ہم ان کے پاس ہیں جب کبھی کوئی ہم سے

دعا کرے تو ہم دعا کرنے والے کی دعا

کو قبول کر لیتے ہیں۔

غالب بہر دم ز آوازہ پیوند بخش — بہر پیکر از دل جگر بند بخش

هو الذی یریکم البرق — وہی ہے جو تم لوگوں کو بجلی کی چمک

(رعد) — دکھاتا ہے۔

۵۷ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقناہ لبلد (اعراف) یہاں تک کہ جب ہوا بھاری بادلوں
میت فانزلنا بہ الماء
کو لے اڑتی ہے تو ہم کسی بستی کیطرف جو مری پڑی تھی بادل کو ہانک دیتے ہیں پھر اس سے پانی برساتے ہیں،

(اعراف)

غالب: ہم رگ ابر را اشکباری از دست
دمِ برق را بیقراری از دست

۴۴ وان من شیء الا یسبح بحمدہ (اسراء) اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد کے
ولکن لا تفقھون تسبیحھم
ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

۷۷ اولا یعلمون ان اللہ یعلم ما (بقرہ) کیا ان لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں
یسرون وما یعلنون ط
کہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ سب کو جانتا ہے۔

(بقرہ)

غالب: زبانہای خاموش گویای او
نہانہای اندیشہ پیدای او

فاما من ثقلت موازینہ فھو
فی عیشۃ راضیہ واما من
خفت موازینہ فامہ ھاویہ
تو جس کے اعمال تول میں زیادہ ٹھہریں گے تو وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا۔ اور جسکے اعمال تول میں کم ٹھہریں تو اسکا ٹھکانا ہوگا ہاویہ،

(قارعہ)

غالب: بدوش ترازو منہ بار من
نسنجیدہ بگذار کردار من
بکردار بی مغز ای رنج
گرانباری درد عمرم بسنج

۵۵ اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (بقرہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ

لا تاخذہ سنۃ ولا نوم ط
سنبھالنے والا نہ اسکو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند

جہان آفرین را غنودن و خواب نیست
تو فارغ چہ خسپی بالیست

۵۱ ان یقولوا سمعنا واطعنا واولٰئک (نور) تو یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور حکم مانا
ھم المفلحون ط (نور)
اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

غالب: نظارۂ خوبان دمی و نغمہ حرامست
دیدیم و شنیدیم و سمعنا و اطعنا

۳۱ وعلم آدم الاسماء کلھا ط (بقرہ) اور آدم کو سب کے نام بتا دئے۔

آن رشتہ کہ گوئی زگرانمایگی ناز
مہر یست بگنجینۂ کیفیت اسماء

۳۲ ذالک الکتب لاریب فیہ ھدی
للمتقین الذین یومنون بالغیب
ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم
ینفقون ط
یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں پرہیزگاروں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لائے اور نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(بقرہ)

غالب: بشرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب
ای تو غائب ز نظر مہر تو ایمان منست

ان الذین یبایعونک انما
یبایعون اللہ، ید اللہ فوق
ایدیھم (فتح)
(اے پیغمبر) جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے

غالب: بگہ بحکم ید اللہ فوق ایدیھم
کرامت تو بمردم ازین نشان کشید

فقال انا ربکم الاعلیٰ ط (نازعات) اور کہدیا کہ میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں

غالب: خوبت کہ نشنوم ز ہر خود رای
گلبانگ انا ربکم الاعلیٰ

اس موقع پر یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ غالب نے قرآنی مطالب میں کچھ تحریف بھی کی ہے، ان میں سے بعض تو صرف مزاح کی خاطر ہیں جن کا ان کے مزاج میں غلبہ تھا، مثلاً

غالب: پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

یہاں وہ قرآنی سیاق و سباق سے قطعاً صرف نظر کر گئے، کیونکہ قرآن نے جابجا اسکی تصریح کر دی ہے کہ گنہگار کو سزا کے حکم سے پہلے اس کے اعمالنامے دکھائے جائیں گے اور وہ خود اپنے گناہوں کا اقرار کرے گا۔

یومئذ یصدر الناس اشتاتا	اس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے
لیروا اعمالهم فمن یعمل مثقال	تاکہ ان کے عمل انکو دکھائے جائیں۔ تو
ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال	جس نے ذرہ بھر نیکی کی وہ اسکو دیکھ لیگا
ذرة شرا یره	اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ اسکو دیکھ لے گا۔

(زلزال)

ووضع الکتاب فتری المجرمین	اور رجسٹر دکھا جائیگا تو تم گنہگاروں کو
مشفقین مما فیه ویقولون	دیکھو گے کہ جو کچھ رجسٹر میں لکھا ہے اس سے
یاویلتنا مال هذا الکتاب لا یغادر	ڈرتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ ہائے
صغیرة ولا کبیرة الا احصاها	ہماری کمبختی یہ کیسا رجسٹر ہے کہ بے قلمبند
ووجدوا ما عملوا حاضرا	کئے نہ کسی چھوٹے ہی گناہ کو چھوڑتا ہے
ولا یظلم ربک احدا	اور نہ بڑے ہی کو اور جو کچھ ان لوگوں
	نے کیا تھا موجود پائیں گے۔ اور تمہارا
(کہف)	پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

یہاں غالب پر ناواقفیت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ خدا کے اس قانون سے واقف تھے، چنانچہ اوپر اس معنی کا ایک مضمون گذر چکا ہے

بدوش ترا نہ دمنہ بار من الخ

یا

غالب: لاتقربوا الصلوٰۃ زنہیم بخاطر است
وازامر بادماندہ کلوا واشربوا مرا

حالانکہ قرآن میں صاف موجود ہے،

لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ	جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے
حتی تعلموا ما تقولون	پاس بھی نہ جانا یہاں تک کہ جو کچھ
	کہتے ہو اسکو سمجھنے لگو۔

(نساء)

ممکن ہے کہ (سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق) غالب کو نماز پڑھنے میں یہی عذر مانع رہتا ہو، لیکن اس کے جواز کے لئے امر قرآنی کی آڑ ڈھونڈنا صحیح نہیں ہے۔ اور بعض مقامات پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متن قرآنی سے واقفیت کے باوجود بھی انھوں نے معنی پر غور نہیں کیا اور عربی اور فارسی میں فرق نہیں کر سکے، مثلاً

غالب: در بادۂ طہور غم محتسب کجا
در عیش خلد لذت بیم زوال کو

ولہ: بہ مست بہشت و بادہ حلال است در بہشت
گر باز پرس رود بہ از من جواب خواہ

وحلوا اساور من فضة وسقاهم	اور ان کو چاندی کے کڑے پہنائے
ربهم شرابا طهورا	جائیں گے اور ان کا پروردگار انکو
	پاکیزہ شراب پلوائیگا۔

(دہر)

یہاں شراب کے معنی "بادہ" یعنی "خمر" کے نہیں ہیں جو غالب نے لیے ہیں بلکہ محض پینے کی چیز کے ہیں جو قرآن میں متعدد بار وارد ہوا ہے،

هوالذی انزل من السماء ماءلکم منه شراب (نحل)
وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں کچھ تمہارے پینے کا ہے۔

یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس (نحل)
مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز (شہد) نکلتی ہے جسکی رنگتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے

ارکض برجلک هذا مغتسل بارد وشراب (ص)
اپنے پاؤں سے ٹھوکر دو، تمہارے نہانے اور پینے کیلئے یہ ٹھنڈا پانی ہے،

ان لغزشوں کے باوجود بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو قرآن سے خاص شغف تھا، اور وہی ان کے شاعرانہ فکر و تخیل کا محور تھا، اور اسکو مذہب اسلام کی طرف رجحان کے سوا کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا اور یہاں "ای تو غالب ز نظم مہر تو ایمان ملت" کی تصدیق ہوتی ہے۔

اقبال کامل

اس میں اقبال کے سوانح حیات کے بعد، ان کی اردو شاعری، پھر فارسی شاعری کے پر مفصل تبصرہ اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھائی گئی ہیں، اسکے بعد ان کی شاعری کے اہم موضوعات مثلاً فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملیت، تعلیم، سیاست صنف لطیف (عورت)، فنون لطیفہ اور نظام، اخلاق وغیرہ کی نہایت دیدہ وری کے ساتھ تشریح کی گئی ہے۔

قیمت :- آٹھ روپے

مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی :-

کیا اسلامی قانون رومی قانون کا مرہونِ منت ہے؟

ترجمہ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب پیرس

(۵)

۳- عام ملاحظات

۴۲- اسلامی قانون اگر رومی قانون کا مدیون ہے تو بہرحال یہ نہیں ہوا کہ ایک کے ماہرین قانون نے دوسرے کے ماہرین قانون سے براہ راست کوئی چیز مستعار لی ہو، اس کے دلائل ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں :-

۴۳- الف - لغوی شہادت :- جب کوئی ادارہ یا نظریہ ایک قوم کسی دوسری قوم سے مستعار لیتی ہے تو عام طور پر نہ صرف وہ نظریہ بلکہ وہ بیرونی علامت (لیبل) بھی مستعار لیتی ہے جس سے وہ نظریہ [مستعار دہندہ کے ہاں] موسوم و معروف ہوتا ہے، مثلاً جب رومی قانون میں "ہیپوطیقا" hypotheca (رہن)، "خیروگرافا" cheirographa (قلمی معاہدہ مع دستخط)، "سنگرافے" syngraphae (سارے فریقان معاہدہ کے ایک ساتھ دستخط)، "امفوتیوسیس" emphyteusis (طویل المیعاد رہن) کی اصطلاحیں نظر سے گذرتی ہیں تو فوراً ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یونان سے آئی ہیں [کیونکہ یہ لفظ یونانی ہیں، لاطینی نہیں] تلمودی قانون میں بھی معتبر (یعنی عبرانی بنائے ہوئے) یونانی اور معتبر لاطینی الفاظ کی بھرمار ہے۔ دیگر زبانوں کے مقابلے میں عربی کو بیرونی الفاظ مستعار لینے کی کم ضرورت ہوتی ہے؛

گو وہ بھی بعض وقت مستعار لیتی رہی ہے[1] ہم یہاں ایک حیران کن نکتے سے دوچار ہوتے ہیں، یہ خیال کرنے کے وجوہ ہیں کہ اموی خلفاء نے جنھوں نے اپنے پایۂ تخت دمشق کی آرائش و زیبائش کی اتنی کوشش کی، کشوری اور عسکری نظم و نسق کے رومی تصور کو برقرار رکھا، یا اسے زندہ کیا، اور چند بیرونی لفظ جو انھوں نے مستعار لیے ان کو پہلی بار استعمال کیا، باقی وہ تھے جو پہلے

سے قرآن مجید میں پائے جاتے تھے، نئے الفاظ اس خیال کی تائید کرتے ہیں، لیکن مدینے اور کوفے

بقیہ حاشیہ ص ۳۰۳ [1] مثلاً لفظ فرنی "pherne" (دلہن کا جہیز) پارافرنا parapherna (بیوی کی شخصی جائداد) سونیگورس synegoros (وکیل و مدافع) سونیہیدریون synhedrion (انعقاد مجلس) "انتی خریسیس" antichresis (تبادلہ یا خلاف مسیح) جو عبرانی میں برتے جاتے ہیں سب یونانی الاصل ہیں، عبرانی میں غیر زبانوں سے لیے ہوئے الفاظ بہ کثرت ہیں۔ (مؤلف)

[1] مثلاً جیفری کی انگریزی کتاب The Foreign Vocabulary of the Quran, Jeffery (قرآن مجید میں عربی لفظ) مطبوعہ بڑودا ۱۹۳۸ء الفاظ کی اجنبی حیثیت کے متعلق جیفری کے بعض استنباطات قابل اعتراض ہیں لیکن وہ نکتہ جس سے ہمیں یہاں بحث ہے یہ ہے کہ قرآنی لفظ سجل کو قانونی ذائقہ عہد قرآنی کے بہت بعد حاصل ہوا [یعنی سورہ ۲۱ آیت ۱۰۴ میں وارد شدہ لفظ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب میں سجل لاطینی sigillum کا معرب ہے جس کے معنی مہر کے ہیں اور اس سے مراد خط پر مہر لگانے اور خط کے ہیں مگر بعد میں سرکاری دفتر میں رجسٹر کرانے کے معنی ہو گئے (مترجم)]۔ اموی دور میں مستعار لیے ہوئے لفظوں میں سے بَرید "ڈاک" یونانی بے رودوس اور لاطینی veredus سے ماخوذ ہے۔ "شرطہ" یعنی خلیفہ کا محافظ دستہ لاطینی "کوہورتیم" cohortem سے اور "تماؤدوس"۔ [شاید کمر دوس مراد ہے (مترجم)] یعنی فوجی ٹولی یا سواروں کا دستہ غالباً ہمارے انگریزی لفظ "اسکواڈرن" squadron کی طرح سے اگر کسی لاطینی لفظ مثلاً "کوادراتوس" quadratus یعنی مربع سے نکلا ہو تو معقول بات ہوگی۔ رومی لفظ فوجی زبان میں باقی رہ سکتے ہیں، مثلاً انگریزی فوجی اصطلاحیں ہندوستان کی فوج میں قابل لحاظ ہیں۔ [ہندوستان انگریزی مقبوضہ رہا۔ اس کی زبان اور نظم و نسق ابتک انگریزی ہے۔ عرب پر رومیوں کی کبھی حکومت رہی نہ رومی زبان مسلمانوں میں رائج رہی۔ (مترجم)] لیکن صاحب الشرطہ جو سرکاری جلاد اور ایک قسم کا مجسٹریٹ (حاکم عدالت) ہوتا تھا کبھی شریعت [یعنی اسلامی قانون] کے نفاذ کے سلسلے میں حاکم عدالت [قاضی] نہیں رہا۔ اس کے فرائض منصبی "عہد جدید" [یعنی انجیل متی ۲۵/۵، انجیل مرقس ۱۳/۹ (مترجم)] میں مذکور امیران صدہ centurion کی طرح اصل قانون کے نہیں بلکہ نظم و نسق کے متعلق ہوتے تھے۔ (مؤلف)

ہیں جو مؤسسین قانون [ائمہ فقہ] تھے وہ ان حکمرانوں [یعنی خلفاء] سے نفرت کی وجہ سے پہلو تہی کرتے تھے کیونکہ ان خلفاء کا ادعاء اسلام بڑے شبہات پیدا کرتا تھا[1]۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ ہوگا کہ اگر اموی خلفاء کوئی بات پسند کرتے تھے تو یہ واقعہ ہی اس بات کے لئے کافی تھا کہ وہ فقہاء کے لئے ناپسندیدہ ہے اور اپنی حد تک یہ خلفاء اور ان کے حاشیہ بردار قانون [فقہ] سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ خراج گزار ذمی قوموں کو اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ اپنے معاملات اور مقدمات کا خود ہی فیصلہ کر لیا کریں،[2] اور یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ وہ عدد قاضی[3] اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ساری وسیع اسلامی شہنشاہی کے ان جھگڑوں کی سماعت کریں جو عربوں [مسلمانوں میں (جو عسکری پیشہ کرتے تھے)] پیدا ہوں، اور دیگر وسائل سے [خارج عدالت] حل نہ ہوں۔ اس لئے اسلامی قانون کی وسیع فہرست اصطلاحات میں ایک بھی ایسی نہیں جو لاطینی یا یونانی سے ماخوذ [معرب] ہو۔ البتہ اس سے خود لفظ "قانون" کو مستثنیٰ کرنا چاہئے، لیکن اس لفظ سے نظم و نسق کے احکام اور بعض وقت رسم و رواج) مراد ہوتے تھے، نہ کہ صحیح[4] (قانون ملک، فقہ) امویوں کے

---

[1] شاید ولید بن یزید جیسے آخری اموی خلفاء کی حد تک ایک حد تک یہ صحیح ہو۔ سارے اموی خلفاء کو ایک لاٹھی ہانکنا صحیح نہیں۔ (مترجم) [2] ذمیوں کی قانونی اور عدالتی آزادی قرآنی احکام کے تحت تھی اور عہد نبوی سے چلی آرہی تھی، امویوں کی ایجاد نہیں تھی۔ (مترجم) [3] معلوم نہیں اس غلط فہمی کی اساس کیا ہے۔ بصرہ و کوفہ ہی نہیں، قاضی ہر شہر میں تھے۔ (مترجم) [4] دیکھو فٹزجیرالڈ کی مذکورہ انگریزی کتاب "قانون محمدی" صفحہ (۱۲)۔ [قانون کا لفظ قانون کے نہ رسم رواج کے معنوں میں ائمہ مذاہب کے زمانے میں استعمال ہوا۔ یہ بہت بعد کی چیز ہے (مترجم)]۔ عثمانی سلاطین کے زمانے میں "قانون" کو جو عظیم اہمیت دی گئی وہ دوسرا معاملہ ہے۔ پھر بھی خود عثمانی زمانے میں نظریے کی حد تک یہ قاعدہ برقرار رہا کہ سلطان کوئی "قانون" اس وقت تک جاری نہیں کر سکتا جب تک کہ شیخ الاسلام اس کے مطابق شریعت ہونے کی توثیق نہ کرے، کہا جاتا ہے کہ عربی لفظ "وارث" لاطینی لفظ ہیریس heres کا معرب ہے اور "دین" (یعنی قرض) یونانی لفظ دانے گیون daneion سے ماخوذ ہے، لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں عربی لفظ پرانے سامی مادوں سے نکلے ہیں۔ (بقیہ ص ۳۰۶)

جانشین عباسی خلفاء کی ریاکارانہ اور دکھاوے کی دینداری کا مظاہرہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنا پایۂ تخت بغداد میں منتقل کر دیا جو یونانی تمدن کے بھوت کی دسترس سے باہر تھا، اور اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں باہمی کشاکش کے باوجود uneasy فقہاء اور امراء یعنی اہل قانون اور ارباب نظم و نسق میں ایک طرح کی رفاقت پائی جاتی تھی، جو تاریخ اسلام میں نادر چیز ہے[1]۔ بہرحال ترکی سلطان "سلیمان قانونی" کے وقت سے پہلے لفظ "قانون" سے مراد قانون ملک sense نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ قاعدہ جو قانون کے ماتحت ہو۔

۴۴۔ ب۔ عثمانی ترکوں سے پہلے اسلامی قانون میں تحریر کو بمشکل کوئی جگہ حاصل تھی[2] ہر قانونی عمل حتی کہ قاضی کا تقرر بھی[3] زبانی ہونا ضروری تھا، بجز اس استثناء کے کہ عمل کنندہ شخص بہرا اور گونگا ہو جس میں زبان سے ادائی ناممکن ہے مگر اس صورت میں بھی اہل قانون نے کوشش کی کہ اسکا کوئی جسمانی بدل پیدا کریں، مثلاً سر کو جھکا کر اپنی قبولیت کی ظاہر کریں۔

۴۵۔ ممکن ہے اسکا سبب یہ رہا ہو کہ ابتدائی عرب اہل قانون کا تحریر پہ اعتقاد نہ رہا ہو مگر اسی بنا پہ قابل ملاحظہ [قابل حیرت] ہے کہ اسلام سے پہلے عرب ایک

(بقیہ حاشیہ ص ۵۔ بیع اور رہ یونانی یا رومی تاثیر سے بہت قبل توریت (بائبل) کی عبرانی زبان میں بھی ملتے ہیں۔ دوسرے ان عربی لفظوں کے معنی ان کے گمان کردہ لاطینی اور یونانی ماخذوں سے بالکل مختلف ہیں، رومی "ہیریس" اور عربی "وارث" میں اس اتفاقی بات کے سوا ان میں کوئی مماثلت نہیں کہ ان دونوں عربی و لاطینی لفظوں کا ترجمہ جدید یورپی زبانوں میں ایک ہی طرح کیا جاتا ہے (انگریزی میں) heir، (فرانسیسی میں) héritier اور (اطالوی) میں erede رہا۔ یونانی لفظ "دانے ئیون" اس سے مراد صرف رقمی قرض ہوتا ہے، اس کے برخلاف عربی لفظ "دین" سے ہر قابل نالش ذمہ داری مراد ہوتی ہے اور یہ عربی لفظ جس مادے سے نکلا ہے اس کے معنی عبرانی اور عربی دونوں میں بدلہ chose in action دینے کے ہیں۔ (مؤلف) ۔ ["دان" کے معنے عربی میں اطاعت کرنے کے بھی ہیں۔ (مؤلف)

[1] یہ گولڈ سیہر کی ایجاد بندہ ہے، اور دلیل کی صحت بھی مشتبہ ہے، اس دلیل سے دعوے کا ثبوت بہرحال نہیں ملتا، مگر یہاں بحث اور تردید کی شاید ضرورت بھی نہیں۔ (مترجم)۔ [2] اس میں بڑی مبالغہ آرائی ہے، کتاب الام (۶/۲۱۶-۲۱۸) میں امام شافعی قدیم امام نے لکھا ہے کہ قاضی شہادت کو تلمبند کر کے محفوظ رکھا کرتا، کتاب القاضی الی القاضی میں قاضی کا علم لانے والا شخص خط کے مندرجات اور مہر کے صحیح ہونے کی زبانی شہادت دینے کا پابند تھا، تو مزید احتیاط کیلئے نہ کہ تحریر کی عدم اہمیت کے باعث۔ (مترجم)۔ [3] معلوم نہیں اس سے کیا مراد ہے، عہد نبوی ہی سے قاضیوں کا تقرر تحریری پروانوں کے ذریعے ہوتا رہا ہے۔ (مترجم)۔

لکھنے پڑھنے والی قوم ہو چکی تھی[1]، یہ کہ خود قرآن (۲/۲۸۲-۲۸۳) سفارش کرتا [حکم دیتا] ہے کہ معاہدات کو شہادت [ثبوت] کی ضرورتوں کے لئے لکھ لیا جایا کرے [اس طویل آیت مداینہ کا اہم حصہ یہ ہے: "اے ایمان والو، جب تم کسی ایسے قرض کا معاملہ کرو جو کسی معین مدت کے لئے ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔۔۔ اور اپنے مرد لوگوں میں سے دو گواہوں کی شہادت حاصل کرو" یہ خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے لئے زیادہ درست، اور اس بات کے لئے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔۔۔۔" (مترجم)] ۔ اور یہ کہ ابتدائی زمانے ہی سے یہ احتیاط برتی جا چکی تھی کہ قرآن مجید کو لکھ لیا جائے، بے شک جو لغوی شہادت اوپر پیش کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب فاتح اس قدر و قیمت سے واقف تھے جو رومی نظم و نسق میں تحریر کو حاصل تھی، پھر بھی شریعت کے مؤسس [ائمہ] نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی۔ نہ صرف یہ کہ [اسلامی] قانون اس بات کو قبول کرنے میں ناکام رہتا یا اس سے انکار کرتا ہے کہ تحریر کے ذریعہ کسی قانونی عمل کی دستاویز Legal Instrument یا معاملہ طے کرنے کا کوئی وثیقہ Dispositive Document تیار ہو، بلکہ تحریر کی شہادتی قدر و قیمت زبانی شہادت کے مقابلے میں کم قرار دی گئی ہے۔ [کیونکہ گواہ سے کرید کر پوچھا جا سکتا اور مزید معلومات حاصل کئے جا سکتے ہیں، دستاویز سے نہیں (مترجم)] تحریری دستاویز صرف اس واقعے کے تفصیلات کی شہادت دیتی ہے جو فریقین میں زبانی طے ہوتا ہے[2]، اور ایک

[1] بلاذری وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حرب بن امیہ اور عبدالمطلب کے زمانے میں مکے کی زبان لکھی جانے لگی تھی، مگر دس پندرہ افراد سے پوری قوم لکھنے پڑھنے والی نہیں سمجھی جاتی۔ لکھنے پڑھنے کی ترقی قرآنی احکام و اوامر کے باعث ہوئی تھی۔ (مترجم)

[2] ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے۔ (مترجم)

مستقل شہادت کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ باتیں واقعی [فریقین میں] کہی گئی تھیں اور طے ہوئی تھیں[1]۔ خود گواہوں کا دستاویز پر دستخط کر کے اس کی تصدیق کرنا ایک ایسا امر ہے جو اگرچہ فطرۃً قانون کی مابعد کی ترقی کے باعث نشو ونما پاتا ہے، لیکن اسلامی نظام کی ابتدائی صدیوں میں قانون شریعت کے ماہرین کے ہاں بہرحال وہ غیر معروف رہا ہے [جس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں دستخط کی جگہ مہر کا رواج تھا، اور اسی لئے سرکاری مہر کی حفاظت ہمیشہ قابل اعتماد افسروں کے تفویض ہوتی رہی ہے۔ (مترجم)]

۴۶۔ اس صورت حال کے بالمقابل معاملہ طے کرنے کا وثیقہ، مثلاً رومی وصیت نامہ جس پر سات گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی، یا عبرانی [یہودی] طلاق نامہ ایسی چیزیں ہیں جو اس بات کی تردید کرتی ہیں کہ [مسلمانوں نے] براہ راست ایسی کوئی چیز مستعار لی ہو۔ مصر میں بردی کاغذوں (پاپیرس) پر ملی ہوئی دستاویزوں سے وہاں کے جس رواج قانونی کا پتہ چلتا ہے وہ بھی اسلامی شریعت سے بعید نظر آتا ہے، کیونکہ وہاں رواجی قانون یہ تھا کہ اراضی کی انتقالِ ملکیت یا ان کو کرائے پر دینا، اسی طرح نکاح اور دیگر قانونی اعمال عام طور پر ایسی دستاویزوں کے ذریعے انجام دیے جاتے تھے جن پر متعدد گواہوں کی شہادت ثبت ہوتی تھی[2]۔ اس میں شک نہیں کہ عثمانی سلطنت میں قسطنطنیہ کی فتح کے بعد، اس سے کسی قدر مختلف تصور کو کارفرمائی حاصل ہوتی ہے، کم از کم اراضی کی انتقال ملکیت کے متعلق

---

[1] یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، زبانی شہادت اس بات کی دی جاتی تھی کہ دستاویز اصلی ہے، نہ کہ مندرجہ امور کے طے ہونے کے متعلق اگر ابتدائی گواہ مر چکے ہوں تو دستاویز کی اہمیت لازماً بڑھ جائے گی۔ (مترجم)

[2] یہ واضح نہیں ہوتا کہ مؤلف یہ رواج اسلامی دور کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہے یا اسلام سے پہلے کے زمانے کے متعلق، ایسی تحریری دستاویزیں اسلامی دور میں مصر کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتیں، چاہے وہ مصر میں محفوظ رہ گئی ہوں اور دوسرے مقاموں پر ضائع ہو گئی ہوں۔ (مترجم)

واقعہ یہ ہے کہ کسی مصدق (نوٹری) کے ہاں ملکیتِ جائداد کو اور اختیاری ہونے کے باوجود عام طور پر نکاح اور طلاق کو رجسٹر کرانا مصر، شمالی افریقہ، ہندوستان نیز ترکی میں پوری طرح پھیل گئے لیکن یہ اصل [اسلامی] قانون کا جز نہ تھا، جہاں تک عثمانی قلمرو کا تعلق ہے، اس میں شک نہیں کہ وہاں [رجسٹر کرانے کے متعلق] بیزنطینی قانون سے ایک متاخر زمانے میں واقفیت حاصل ہوئی تھی، لیکن یہ ترقی [یعنی رجسٹر کرانے کا رواج] دوسرے مقاموں پر بھی ہوا۔ جو یہ عدالتوں کی کارروائی Procedure کے باعث ہوا تھا[1]۔

۴۷۔ رومی قانون سے براہ راست اور جان بوجھ کر کسی چیز کے مستعار لینے کے تصور کی تردید کرنے والا ایک تیسرا امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے قانونی ادبیات [کتب]

---

[1] نشر جیرالڈ کی مذکورہ انگریزی کتاب "قانون محمدی" صفحہ ۳، شاخت Schacht کا گمان ہے کہ رجسٹری کا رواج رومی دور کے باقیات میں سے رہا ہوگا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی تو وہ قانون شریعت کا جز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایسی چیز رہی ہوگی جو موجود تو تھی لیکن شرعی قانون کو مدون کرنے والے، استدلال پسند فقہاء Canonists اس کو نظر انداز کرتے رہے۔ مگر ادب کے ساتھ عرض کیا جاتا ہے کہ یہ فرض کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں معلوم ہوتی کہ ایسی کوئی [رومی] چیز موجود رہی ہو جس کی شہادت بہت کم ملتی ہے یا بالکل نہیں ملتی اور اس مقبول توجیہ کو ترک کر دیا جائے کہ مسلمانوں نے یہاں کا نظام مصدق (نوٹری) ایک تاریخی اور تدریجی [داخلی] نشو ونما کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسی برقراری کی کوئی شہادت نہیں ملتی، رجسٹر کرانے کی دو صورتیں بہت عام ہیں، ایک قاضی کا فیصلہ، تاکہ سازشی جعلسازی نہ ہو (Collusive decrees) اور دوسرے عدول یعنی سرکاری گواہ کے رکارڈ کو محفوظ رکھنا تاکہ آئندہ گواہی دینے میں مدد ملے، ان دونوں کے متعلق بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ وہ رومی قانون سے آئے ہیں۔ شاخت کی تازہ تالیف Origins of Mohammadan Law (قانون محمدی کے مصادر آغاز) اس مضمون کے طبع ہونے تک شائع نہیں ہوئی ہے، اس کے خیالات کی طرف اشارہ نامکمل ہوگا۔ کیونکہ وہ مبنی ہے ان دو مختصر تنقیدوں پر جو شائع ہوئی ہیں اور جن کی نقل شاخت نے از راہ عنایت بھیجی ہے۔ (مؤلف)

میں کہیں بھی، ایسے ماخذ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ دونوں [اسلامی اور رومی] نظام حقیقت میں اس بنیادی اصول کے بارے میں ناقابل مطابقت طور پر مختلف رائے رکھتے ہیں کہ قانون کا صحیح ماخذ کیا ہے۔ اسلام میں قانون ایک خدائی چیز ہے اور خدا ہی قانون کا واحد وضع کنندہ ہے، کوئی انسانی حکمراں قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ [اسی لئے فقیہ ہر مسئلے میں حکم کی تلاش اللہ اور رسول کے اقوال میں کرتا ہے (مترجم)]۔ اور مشیت عامہ [اجماع] کو صرف اس وقت قبول کیا جاتا ہے جب وہ بڑی حد تک اتفاق رائے پر مبنی ہو تاکہ یہ سمجھا جائے کہ وہ خدا کی آواز کی نمائندگی کرتی ہے، اسی لئے اس بات پر زور دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کے مؤسس اپنے لئے یہ بات مشکل پاتے کہ رومی قانون کے مرہون ہونے کو قبول کریں، خواہ ایسا ہونے کا انھیں شعور بھی نہ رہا ہو۔[1] پیشگی فیصلہ کئے بغیر محض بحث کی خاطر ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہئے کہ جو لوگ عام طور پر مشہور نظرئے کی، رومی تاثیر کے متعلق تائید کرتے ہیں وہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے بہت دور ہیں، اور محض یہ کہہ دینے سے کہ اس تاثیر کا مسلمانوں نے [بددیانتی سے] اعتراف نہیں کیا ہے، یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ مسلمانوں نے باہر سے کوئی چیز واقعتہً مستعار لی ہو۔ اسی لئے جب سر رولنڈ ولسن نے اپنی [انگریزی] کتاب "انگریزی اسلامی قانون کا خلاصہ" Sir Roland Wilson, Digest of Anglo Mohammedan Law (طبع پنجم صفحہ ۴۲) میں یہ لکھا کہ عرب مؤلفوں میں ان ماخذوں کے متعلق جن سے انھوں نے مواد لیا ہے "سکوت برتنے کے لئے ایک مقدس سازش" پائی جاتی ہے تو قابل ثبوت چیز کو ثابت شدہ فرض کر لینا چاہئے، ایسی سازش کا کوئی وجود نہیں، اور یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی قانون کے ماخذوں کے متعلق ہمیں جن چیزوں کا علم ہے وہ اس سے ذرا بھی مختلف کوئی چیز

[1] بددیانتی کے اس امکان کی مؤلف نے خود نیچے اسی فصل میں تردید کی ہے۔ (مترجم)

نہیں جو مسلمان مؤلف خود بیان کرتے ہیں۔

۴۰۔ شریعت [یعنی اسلامی قانون] کو مدون کرنے والے [ائمۃ] اور حدیثوں کو جمع کرنے والے ابتدائی مؤلف دیانتدار لوگ تھے (چاہے وہ بعض صورتوں میں بھولے اور زود یقین کیوں نہ رہے ہوں[1])، اور ایسے کام میں مشغول تھے جسے وہ ایک مقدس فریضہ سمجھتے تھے کہ خدائی قانون کی وضاحت کریں۔ انھیں اپنے کام کی مذہبی حیثیت کا جو احساس تھا وہ انھیں ہر ایسی چیز سے روکتا تھا جو چوری چھپے کی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ امکان خارج نہیں ہو جاتا کہ مستعار لینا خواہ بالواسطہ اور غیر شعوری طور پر ہوا ہو۔ اس نقطہ نظر سے دیکھو تو حدیثیں ایک ایسی کوشش نظر آتی ہیں کہ اس وقت کے موجودہ رواج یا مختلف فقہاء کے آراء کو پیغمبر اسلام کی حقیقی یا مفروضہ قبولیت کی کسوٹی تک پہنچا دیں[2]۔ ان حدیثوں میں جو رواج بھرا ہوا ہے وہ کسی حد تک رومی الاصل ہے، ہم اس کا کسی آیندہ وقت مطالعہ کریں گے، لیکن یہ بات بالکل یقینی ہے کہ [جسٹی نین کے "مجموعۂ قوانین" Corpus Juris] سے فقہ میں کوئی چیز براہ راست مستعار نہیں لی گئی۔

۴۱۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسلامی شریعت اور رومی قانون کے درمیان خصوصیت اور مقصد دونوں میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ رومی قانون اس وقت بھی جب وہ انتہائی مجرد مفہوم اور علمی بحث میں مشغول ہوا ہمیشہ قانون پیشہ لوگوں کا [یعنی انسانی] قانون رہتا ہے، جیسا کہ مسلّم ہے hominum causa omne just constitutum

[1] امام بخاری جیسا شخص جس نے ایک مرتبہ سوالیہ کو لے کر [؟] دنیائے اسلام کا دورہ کیا تھا وہ اس میں کامیاب ہوگیا کہ جلد بادیہ وہ جواب پالے جس کی اسے ضرورت تھی، وہ یہ کہ عظیم مقدار میں Wholesale جعلی حدیثیں بنائی گئیں اسے ہر شخص تسلیم کرتا ہے (مؤلف) مگر یہ بھی بتاتا ہے کہ کونسی چیز صحیح اور کونسی موضوع یا ضعیف ہے۔ (مترجم)

[2] یہاں مؤلف کے قلم نے بہک کر خواہش کو واقعہ قرار دے لیا ہے، بہتر ہوتا اگر وہ اپنے فن قانون ہی میں رہتا، حدیث جیسے اجنبی فن میں [illegible] (مترجم)

(یعنی جو قانون بھی وضع ہوا وہ انسان ہی کے باعث وضع ہوا ہے) اس کے برخلاف اسلامی شریعت بنیادی طور پر ایک ایسا نظام ہے جو فرد انسانی کی روح کے خدا کے ساتھ تعلق پر استدلالی طور پر خیر و شر کا فیصلہ کرنے میں canunistic مشغول ہوتا رہتا ہے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں نماز، روزہ، حج اور اسی قسم کی دوسری چیزیں داخل ہیں، اور جب بیع اور رہن جیسے خالص مدنی (دنیوی) معاملات کے احکام سے بحث ہوتی ہے تو بھی اکثر ان میں بھی جو صرف فریقین سے متعلق ہوتے ہیں، مذہبی پہلو غالب آجاتا ہے[1]، اس کا نتیجہ، جیسا کہ ممتاز اہل علم نے بیان کیا ہے، یہ ہے کہ شریعت پر بطور ایک نظام قانون کے، غالباً کبھی بھی کامل طور پر عمل نہیں کرایا گیا، لیکن دوسری طرف وہ شاذ ہی عدل گستری پر طاقتور اثر ڈالنے میں ناکام رہی ہو، ہماری موجودہ بحث کے نقطۂ نظر سے، ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رومی نظام قانون کے بہت سے مندرجات ایسے ہیں جو شریعت کے ماہرین کے لئے، جو خیر و شر کا استدلالی مطالعہ

---

[1] اس کی مثال کے لئے دیکھو وہ حنفی دلیل جو قبضۂ بیجا Trespass کے ہرجانے کے سلسلے میں سر عبدالرحیم نے اپنی کتاب "مسلم جورس پروڈنس" [صحیح نام محمڈن جورس پروڈنس Principles of Mohammadan Jurisprudence ہے اور کلکتہ میں چھپی ہے، دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اسکا اردو ترجمہ "اصول فقہ" کے نام سے شائع کیا ہے، اس کا اطالوی ترجمہ بھی ہوا ہے، (مترجم)] اس کے صفحہ (۱۶۲ تا ۱۶۳) میں ہے کہ یہ بہتر ہے کہ ایک معصوم شاکی کو کسی بیجا مداخلت کرنیوالے کے ہاتھوں ضرر پہنچے بہ نسبت اس کے کہ اس شاکی کو حد سے زیادہ ہرجانہ دلایا جائے، کیونکہ ایسا ہرجانہ دلانے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو ظلم میں شریک قرار دیا جائے یعنی بیجا مداخلت کرنے والے کو، اسی کتاب میں جو مثال جو ہر دو عوض کے متعلق دی گئی ہے وہ بھی عملی قانون سے دور ہی کا واسطہ رکھتی ہے۔ (مؤلف) جسٹس سر عبدالرحیم مرحوم نے توضیح التلویح لصدر الشریعہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ غاصب کو مال مغصوبہ کی واپسی کا حکم تو دیا جائیگا لیکن حنفی مذہب کے مطابق اس نے قبضۂ غاصبانہ کے زمانے میں جو استفادہ کیا تھا اسکا معاوضہ دینے کا پابند نہ کیا جائیگا، کیونکہ استفادہ ایک غیر محسوس چیز ہے جسکی ٹھیک ٹھیک مالیت معین نہیں کی جا سکتی، اگر ہم ایسے ضرر کا جس کی مقدار معلوم نہیں معاوضہ دینے کا حکم دیں تو ممکن ہے کہ زائد از ضرورت ہرجانہ دلایا جائے۔ جو بر عوض کے حوالے کا صفحہ مؤلف نے نہیں دیا ہے اور باوجود تلاش کے وہ ہمیں نہ ملا۔ توضیح التلویح بھی یہاں نہ ملی کہ اس کی تحقیق کر لی جاتی۔ کار دنیا کسے تمام نہ کرد۔ (مترجم)

کرتے ہیں، دلچسپی کے حامل نہیں ہو سکتے، اگر یہ لوگ رومی قانون سے واقعۃً واقف بھی ہوتے جب ہم "اسلامی قانون" یا "محمڈن لا" (قانون محمدی) کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہماری مراد شریعت ہی سے ہوتی ہے، اسی طرح شریعت میں لازماً ایسی بہت سی چیزوں سے بحث ہوتی ہے جن سے روما کے اہل قانون کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی اور شریعت کے احکام ایسے ملحوظات پر مبنی ہوتے ہیں جو رومیوں کے لئے بالکل اجنبی اور بیگانہ ہیں۔

۵۰۔ توقع ہے کہ آئندہ ایک مضمون میں تعمیری نوعیت کے ایسے چند عارضی خیالات بطور تجربہ tentative اس امر کے متعلق پیش کئے جائینگے کہ کن میدانوں میں رومی قانون کے بالواسطہ اثر کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، اور وہ کونسی راہیں ہیں جن سے گذر کر یہ اثر مسلمانوں تک پہنچا ہوگا؟ نیز چند ایسی چیزیں بھی واضح کی جائینگی جن کی حد تک رومی اور اسلامی قانون میں توارد محض اتفاقی ہے۔

مطبوعاتِ جدیدہ

تقریرِ بخاری اردو (حصہ اول) از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مرتبہ مولانا محمد شاہد صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، جلد معمولی، قیمت آٹھ روپے، پتہ:- کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارن پور،

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی پوری زندگی حدیث نبوی کی خدمت میں گذری، تقریباً نصف صدی تک صحاح ستہ خصوصاً بخاری کا درس دیا، آپ کا درس اتنا مشہور تھا کہ دور دور سے شائقین حدیث استفادہ کے لئے آتے تھے، تدریس کے ساتھ علمی وتصنیفی حیثیت سے بھی حدیث کی بیش بہا خدمات انجام دیں، متعدد کتابوں کی شرحیں اور حواشی لکھے، اوجز المسالک شرح موطا امام مالک، مقدمہ لامع الدراری، الکوکب الدراری کے حواشی، الابواب والتراجم للبخاری، حاشیہ بذل المجہود وغیرہ حدیث پر آپ کی دقت ووسعتِ نظر کی شاہد ہیں، حضرت شیخ کے متعدد لائق تلامذہ نے آپ کے درس بخاری کی تقریریں قلمبند کی تھیں جو غیر مطبوعہ تھیں، ضرورت تھی کہ حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے استفادہ کے لئے اس خزانہ کو عام کیا جائے، مولانا محمد شاہد صاحب اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان سب تقریروں کو سامنے رکھ کر ایک جامع تقریر مرتب کی ہے، جو بالاقساط کتابی شکل میں شائع ہوگی، مذکورہ بالا کتاب اس کا پہلا حصہ ہے، جو کتاب الایمان، اور کتاب العلم کی حدیثوں کی تقریروں پر مشتمل ہے، یہ تقریریں اس قدر جامع ہیں کہ کوئی تشریح طلب

پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، اور محض مالوف اور رائج شرح پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جا بجا نئی باتیں بھی ہیں جو دوسری شرحوں میں نہیں مل سکتیں، اور اس کو ان شرحوں سے ممتاز کرتی ہیں، ان تقریروں کی جامعیت اور تحقیقی شان کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، کتاب کے شروع میں دو مقدمے ہیں، ایک حضرت کے تلمیذ رشید مولانا تقی الدین کے قلم سے، اس میں ہندوستان میں علم حدیث کی مختصر تاریخ، حضرت شیخ کے خدماتِ حدیث کا اجمالی ذکر اور درس وتقریر بخاری کی خصوصیات کی تفصیل ہے، دوسرا مقدمہ حضرت شیخ کے قلم سے جو فنِ حدیث کے متعلق اہم اور ضروری معلومات پر مشتمل ہے، اس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ وہ تمام باتیں آگئی ہیں جن سے واقفیت حدیث کے طلبہ کے لئے ضروری ہے، یہ مقدمہ اپنے فائدہ کے لحاظ سے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، حدیث کی یہ تقریریں حدیث کے طلبہ سے زیادہ اس کے اساتذہ کے استفادہ کے لائق ہیں، اس سے اردو میں بخاری کی ایک اہم شرح کا اضافہ ہوا،

مکتوباتِ تصوف از حضرت شیخ الحدیث مرتبہ مولانا محمد شاہد صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت: ۱۳۸ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، جلد معمولی، قیمت چار روپے، پتہ: کتب خانہ اشاعت العلوم، محلہ مفتی سہارنپور،

یہ حضرت شیخ کے عارفانہ مکتوبات کا مجموعہ ہے، اکابر صوفیہ اور مشائخ کے ملفوظات ومکتوبات عرفان وتصوف کا گنجینہ اور سالکین طریقت کی اصلاح وتربیت کا نصاب ہوتے ہیں، اس لئے ہر دور کے اکابر شیوخ کے ملفوظات ومکتوبات جمع کئے گئے، اس دور کے سب سے بڑے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کے ملفوظات اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اب مولانا محمد شاہد صاحب نے آپ کے مکتوبات کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا ہے،

سرہ اس میں ،، مکتوبات ہیں، حضرت شیخ کی ذات گرامی شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی
آپ محدث جلیل بھی ہیں، اور صاحب ارشاد و ہدایت شیخ طریقت بھی، اس لئے یہ مکتوبات
بھی شریعت وطریقت کا عطر اور سالکین طریقت کے لئے ہدایت و رہنمائی کا صحیفہ ہیں، ان
دونوں کا اجتماع ہی درحقیقت تصوف ہے جو اس سلسلۃ الذہب کے سوا اس زمانہ میں کمیاب
ہے، یہ مکتوبات نہ صرف سالکین طریقت بلکہ عام دیندار مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بھی مفید
اور ان کے مطالعہ کے لائق ہیں، انھیں پڑھ کر اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کا احساس، اور
اصلاح حال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے،

دیوان حافظ (مترجم) از مولانا قاضی سجاد حسین صاحب تقطیع بڑی - ضخامت
۴۸۸ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت اعلیٰ و دیدہ زیب، قیمت قسم اول مجلد
پندرہ روپیے، پتہ:- سب رنگ، کتاب گھر دہلی،

ہمارے فاضل دوست مولانا قاضی سجاد حسین صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ فتح پوری
دہلی، فارسی کا بھی بڑا ستھرا اور بلند مذاق رکھتے ہیں، انھوں نے فارسی نظم و نثر کی متعدد اہم
کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے، ان میں دیوان حافظ بھی ہے، اس کا پہلا اڈیشن کئی
سال ہوئے شائع ہوا تھا، اب انھوں نے اس کا دوسرا اڈیشن بڑے اہتمام سے شائع
کیا ہے، اس کا اعلیٰ اڈیشن مترجم کے حسن ذوق کا نمونہ اور حسن و نفاست میں عروس جمیل
دلباس حریر کا مصداق ہے، حافظ کی شراب طہور اسی زرین و بلورین جام و مینا کی مستحق تھی
ترجمہ کی خوبی کے لئے مترجم کا نام ضمانت ہے، یہ اڈیشن اپنے حسن و دلکشی کے لحاظ سے کتب خانوں
کی زینت بننے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۱۱ ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۳ء عدد ۵

مضامین

مقالات